ذوالحجہ ۱۴۴۱ھ
اگست ۲۰۲۰ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

حدود اللہ کی حفاظت — از انجینئر مختار فاروقی

حقیقتِ نفاق
اور جہاد سے اعراض کی سزا: نفاق
از شجاع الدین شیخ

جدید تعلیم یافتہ حضرات وخواتین کے لیے دینی علوم کے حصول کا نادر موقع

جاری کردہ: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

رجوع الی القرآن کورس

(دورانیہ ۹ ماہ)

عرصہ 38 سال سے باقاعدگی سے جاری تعلیمی سلسلہ

مضامینِ تدریس

پارٹ ۱ (سالِ اوّل) برائے مرد و خواتین

- تجوید و ناظرہ
- عربی گرائمر (صرف و نحو)
- ترجمہ قرآن (مع تفسیری و لغوی توضیحات)
- دورہ ترجمہ قرآن
- قرآن حکیم کی فکری و عملی رہنمائی
- سیرت و شمائل النبی ﷺ
- مطالعہ حدیث و اصطلاحاتِ حدیث
- فکرِ اقبال
- فقہ العبادات
- معاشیاتِ اسلام
- اضافی محاضرات

پارٹ ۲ (سال دوم) برائے مرد حضرات

- عربی زبان و ادب
- اصولِ تفسیر
- تفسیر القرآن
- اصولِ حدیث
- درسِ حدیث
- اصول الفقہ
- فقہ المعاملات
- عقیدہ (طحاویہ)
- اضافی محاضرات

آغاز 10 اگست 2020 (اِن شاءاللہ)

ایام تدریس: پیر تا جمعہ

نوٹ: بیرونِ لاہور رہائشی حضرات کے لیے ہاسٹل کی محدود سہولت موجود ہے۔
لہٰذا خواہشمند حضرات 8 اگست تک اپنی رجسٹریشن کروالیں۔

اوقات تدریس: صبح 8 بجے تا 12:30

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی خدماتِ قرآنی کا مرکز —— قرآن اکیڈمی

36-K ماڈل ٹاؤن لاہور
email:irts@tanzeem.org
www.tanzeem.org

زیرِ انتظام: مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)
مزید تفصیلات کے لئے www.tanzeem.org
03161466611 - 04235869501-3

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد : 69
شمارہ : 8
ذوالحجہ 1441ھ
اگست 2020ء
فی شمارہ -/40

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون
- اندرون ملک 400 روپے
- بھارت و بنگلہ دیش 900 روپے
- ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 1200 روپے
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 1500 روپے

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700، فون: 3-35869501
فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org
رابطہ برائے ادارتی امور: (042)38939321
publications@tanzeem.org
ویب سائٹ: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: ”دارالاسلام“ ملتان روڈ چوہنگ لاہور
(پوسٹل کوڈ 53800) فون: 35473375-79 (042)
پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال 5
آیا صوفیہ — ایوب بیگ مرزا

بیان القرآن 9
سورۃ محمدؐ (آیات ۱ تا ۱۵) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

تربیت و تزکیہ 23
حدوداللہ کی حفاظت — انجینئر مختار فاروقی

مطالعۂ قرآن حکیم 39
حقیقتِ نفاق
اور جہاد سے اعراض کی سزا: نفاق — شجاع الدین شیخ

حسنِ معاشرت 57
اسلام اور حقوقِ نسواں — میمونہ اسلم

انوارِ ھدایت 69
روزی رساں اللہ ہے! — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

آزادئ نسواں 75
لڑکیوں کی بغاوت: اسباب و علاج (۴) — ابوکلیم مقصود الحسن فیضی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیا صوفیہ

مسلمانانِ برصغیر کی سوچ‘ اُن کی فکر‘ اُن کا غم وغصّہ‘ اُن کی خوشی اور شادمانی کبھی برصغیر تک محدود نہیں رہی۔ اِسے اُن کی طبیعت کا خاصا کہہ لیں یا اُن کی سرشت کا حصہ سمجھ لیں‘ عالَمِ اسلام میں کہیں کوئی واقعہ ہو وہ آگے بڑھ کر اس سے متعلق ہو جاتے ہیں‘ بلکہ اُسے خود پر مسلّط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ گویا آج اُمّتِ مُسلمہ کا کوئی حقیقی وجود ہے یا نہیں‘ وہ تصوّراتی طور پر خود کو اُمّتِ مُسلمہ کا حصّہ سمجھتے ہیں۔ برصغیر کی تاریخ اِس کی گواہ ہے۔ سلطنتِ عثمانیہ اور ادارۂ خلافت شکست وریخت کا شکار ہوا تو آواز کہاں سے اُٹھتی ہے؟ عرب دنیا تو خود اُس کے خلاف برسرِ پیکار تھی۔ ترکی کو اتحادیوں کے ہاتھوں چیر پھاڑ سے بچانے والا نئے ترکی کا بانی اتاترک مصطفیٰ کمال پاشا نے خود خلافت کے ادارے کے خاتمے کا اعلان کیا تھا۔ لیکن برصغیر میں ’’تحریکِ خلافت‘‘ کے نام سے ایسی تحریک اُٹھی کہ مسلمانوں کا ازلی دشمن مہاتما گاندھی کانپ اُٹھا اور تحریک کی حمایت پر مجبور ہوا۔ یہ جو علامہ اقبال نے کہا تھا: ’’چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا‘‘ یہ درحقیقت مسلمانانِ برصغیر کے جذبات کی عکاسی تھی۔ گویا خلافت سے ترکوں نے ہاتھ دھوئے اور سینہ مسلمانانِ برصغیر کا زخموں سے چُور چُور ہو گیا۔ سوویت یونین نے افغانستان میں فوجیں اُتار دیں تو اگرچہ مقابلے کے لیے امریکہ نے تمام عالم اسلام کو استعمال کیا‘ لیکن افغان مجاہدین کے لیے پاکستانیوں کا جذبہ دیدنی تھا۔ کتنے پاکستانی تھے جنہوں نے سرزمینِ افغانستان پر جامِ شہادت نوش کیا۔

پاکستان بننے کے بعد عالَمِ اسلام کو چرکے اُس وقت سے زیادہ لگنے شروع ہوئے جب دنیا Bi- Polar سے Uni-Polar ہوئی۔ سوویت یونین اور اُس کے کمیونزم سے دو دو ہاتھ کرنے کے بعد امریکہ عالَمِ اسلام کی طرف متوجّہ ہوا‘ کیونکہ وہ مسلمانوں کو استعمال کر کے سوویت یونین کو راستے سے ہٹا چکا تھا اور اب عالمی بادشاہت کے لیے اُس کا راستہ ہموار ہو چکا تھا۔ چنانچہ

افغانستان‘ عراق‘ لیبیا اور کئی دوسرے اسلامی ممالک پر حملہ آور ہوا۔ پاکستان کے مسلمان اِن کے لیے کچھ نہ کر سکے‘ لیکن اُن کے دل اِن ملکوں کے مسلمانوں کے ساتھ دھڑکتے تھے۔ افغان طالبان نے امریکہ کے خلاف جدّ وجُہدِ آزادی شروع کی تو گنتی کے دانشوروں‘ لبرلز اور سیکولرز کو چھوڑ کر سب پاکستانیوں کی دعائیں افغان طالبان کے ساتھ تھیں۔ قصہ مختصر اِس سرزمین کے مسلمانوں کو عالَمِ اسلام نے اپنا حصّہ سمجھا یا نہ سمجھا‘ پاکستان کے مسلمانوں نے خود کو تمام دنیا کے مسلمانوں کے ساتھ کھڑا کیا بلکہ اُنھیں ہمیشہ سینے سے لگایا۔

عالَمِ اسلام میں تازہ ترین واقعہ ترکی کے صدر رجب طیب اردگان کا ’’آیا صوفیہ‘‘ کو عجائب گھر سے دوبارہ مسجد میں تبدیل کرنا ہے۔ پاکستانی مسلمانوں کی اکثریت اگرچہ ایک مرتبہ پھر ترکی کے صدر کے ساتھ کھڑی ہے‘ لیکن اِس معاملہ میں چونکہ شرعی طور پر کچھ اُلجھاؤ ہے لہٰذا واضح طور پر متفقہ اور پختہ موقف تشکیل نہیں پا سکا۔ وہ شرعی نکتہ یہ ہے کہ آیا صوفیہ صدیوں پرانا چرچ تھا۔ سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ کو فتح کیا تو اُس نے اس کلیسا کو مسجد میں تبدیل کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ کیا مسلمان فاتح کسی علاقے کو فتح کرے تو غیر مسلموں کی عبادت گاہ کو مسجد میں تبدیل کر سکتا ہے؟ اگر کر سکتا ہے تو کن شرائط پر کر سکتا ہے؟ یہ مسلمانوں کا باہمی اور داخلی مسئلہ ہے۔ اِس پر ہم بات بعد میں کریں گے۔ پہلے ہم یورپ‘ امریکہ‘ بھارت اور دنیا بھر میں رجب طیب اردگان کے اس قدم کے خلاف اُٹھائے جانے والے طوفان پر تبصرہ کرنا چاہیں گے کہ اِن ممالک کا کیا منہ ہے کہ وہ ایک عجائب گھر کو مسجد میں دوبارہ تبدیل کرنے پر بے ہنگم شور مچائے ہوئے ہیں۔ کیا سپین اِس کی مذمت کرے گا جہاں مسلمانوں کے اقتدار کے خاتمے کے بعد مساجد تو کیا مسلمانوں ہی کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی بھرپور کوشش کی گئی تھی؟ کیا یورپ اِس کی مخالفت کرے گا جہاں مسلمانوں کی کھوپڑیوں سے چرچ بنایا گیا؟ کیا مسلمانوں کے دینی مدارس اور مساجد پر کارپٹ بمبارمنٹ کرنے والا امریکہ ترکی کو یہ درس دے گا کہ دوسروں کی عبادت گاہوں کا احترام اور تعظیم کرنا چاہیے؟ کیا قرآن پاک کی تلاوت کرنے پر سزائیں دینے والا اور مذہب کے لفظ کو جرم بنانے والا روس کلیسا کے مسجد میں تبدیل ہونے پر احتجاج کی صدا بلند کرے گا؟ کیا بابری مسجد اور سینکڑوں تاریخی مساجد کو شہید کرنے والا بھارت یہ کہے گا کہ اقلیتوں کی عبادت گاہیں گرا کر انہیں اپنی عبادت گاہوں میں تبدیل کرنے کا کام نہیں ہونا چاہیے ع شرم تم کو مگر نہیں آتی!

قصہ یہ ہے کہ قسطنطنیہ کا قدیم نام بازنطین تھا‘ لیکن جب ۳۳۰ء میں رومن شہنشاہ قسطنطین اعظم (Constantine) نے اپنا دارالحکومت روم سے یہاں منتقل کیا تو شہر کا نام بدل کر اپنے نام پر (Constantinople) رکھا‘ جو عربوں کے ہاں پہنچ کر قسطنطنیہ (شہر قیصر) بن گیا۔ مسلمان قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی زبردست خواہش رکھتے تھے۔ اُس کی اصل وجہ تو یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: (ترجمہ) ’’تم لازماً قسطنطنیہ فتح کرو گے‘ پس کیا ہی خوب صورت ہو گا اُس کا امیر اور کیا ہی خوب صورت ہو گا اُس کا لشکر!‘‘ رسول اللہ ﷺ نے شہر قیصر پر حملہ آور ہونے والے سب سے پہلے لشکر کے بارے میں بشارت دی تھی کہ وہ سب کے سب بخش دیے جائیں گے۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ پر حملے کے لیے پہلا لشکر روانہ کیا تو حضور ﷺ کی بشارت کا مصداق بننے کی آرزو میں میزبانِ رسولؐ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ انتہائی ضعیف العمر ہونے کے باوجود اس لشکر میں شریک ہوئے تھے اور دورانِ سفر اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی تھی۔

اِس شہر نے جس طرح ترقی کی منازل طے کی تھیں اُس دور میں دنیا کا کوئی دوسرا شہر اس کا مقابلہ نہیں کرتا تھا اور دنیا بھر میں اِس شہر کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ مسلمانوں نے اپنے اقتدار کے عروج میں اِس شہر پر کئی حملے کیے‘ لیکن ناکام رہے۔ بالآخر ۲۹ مئی ۱۴۵۳ء کو ۲۱ سالہ سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ یہ فتح اتنی عظیم تھی کہ ’’فاتح‘‘ اُن کے نام کا حصہ بن گیا۔ سلطان محمد فاتح نے ’’آیا صوفیہ‘‘ جو ایک عظیم الشان عمارت تھی‘ جس میں صدیوں پرانا گرجا تھا‘ اُسے مسجد میں تبدیل کر دیا۔ اب رہا یہ سوال کہ کیا کوئی مسلمان فاتح مفتوح علاقے میں کسی غیر مسلم قوم کی عبادت گاہ کو کسی بھی صورت میں مسجد میں تبدیل کر سکتا ہے؟ اِس حوالے سے فتویٰ دینا تو مفتیانِ کرام کا کام ہے‘ جو ابھی تک حتمی طور پر سامنے نہیں آیا‘ لہٰذا ہم اِس مسئلہ پر کامن سینس کی بنیاد پر بات کریں گے۔ یہ نوٹ کر لیجیے کہ اُس زمانے میں ’’آیا صوفیہ‘‘ صرف چرچ نہیں تھا بلکہ اُس میں سرکاری دفاتر اور فوج کا آفس بھی تھا۔

بہر حال ہماری رائے میں چار صورتیں ایسی ہیں کہ کسی غیر مسلم معبد کو ختم کیا جا سکتا ہے:

(۱) علاقے کی غیر مسلم آبادی خود اپنے معبد کو بخوشی بطورِ تحفہ مسلمانوں کو پیش کر دے۔

(۲) مسلمان اِس معبد کو خرید لیں اور جبر کا کوئی عنصر نہ ہو۔ اس کی مثالیں آج یورپ میں بکثرت

دیکھی جا سکتی ہیں‘ جہاں اقلیت میں ہونے کے باوجود مسلمانوں نے کثیر تعداد میں چرچ خرید کر انہیں مساجد میں منتقل کیا ہے۔

(۳) اُس معبد سے غیر مسلم اقلیت مسلمانوں کو جانی نقصان پہنچانا شروع کر دے اور مسلمانوں کے خلاف تخریب کاری کے اڈّے کے طور پر اُسے استعمال کرے۔

(۴) وہ معبد بالکل ویران ہو چکا ہو اور ماضی میں جس مذہب کے پیروکاروں نے اُسے بنایا ہو وہ وہاں سے تقریباً ناپید ہو چکے ہوں۔

جہاں تک پہلی دو صورتوں کا تعلق ہے‘ ہمارے پاس کیا ثبوت یا شہادت ہے کہ سلطان محمد فاتح کو یہ گرجا تحفہ کے طور پر متقدمین نے دیا تھا یا ایسی کوئی دستاویز ہے جس سے ثابت ہو کہ سلطان نے یہ گرجا خرید لیا تھا؟ ظاہر ہے پونے چھ سو سال بعد ایسا کوئی ثبوت یا شہادت پیش نہیں کی جا سکتی‘ لیکن واقعاتی شہادتوں کے حوالے سے دلائل دیے جا سکتے ہیں۔ پہلی شہادت یہ ہے کہ جس لشکر کے سردار کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے اتنے خوبصورت اور تحسین آمیز الفاظ استعمال فرمائے‘ وہ ہستی کلیسا کو مسجد میں بزورِ شمشیر تبدیل کر سکتی ہے؟ اُن کے کردار کی گواہی آپ ﷺ نے دی ہے‘ لہٰذا ایسا ممکن نہیں۔ بہر حال یہ بات صرف مسلمانوں کے اطمینان کے لیے ہے۔

ایک خبر یہ ہے کہ باقاعدہ deed ہوئی تھی اور کچھ لوگ اُس کا عکس سوشل میڈیا پر دکھا رہے ہیں۔ یہ درحقیقت سلطان محمد فاتح کی وصیت (will) ہے جو عمارت میں آویزاں ہے‘ لیکن اِس کو مخالفین تو نہیں تسلیم کریں گے۔ یہ کوئی ایسی دستاویز نہیں ہے جو اِس گرجے کو فروخت کرنا یا بطور تحفہ فاتح کو دینا ثابت کر رہی ہو‘ لہٰذا اصل دلیل یہ ہے کہ کیا ’’آیا صوفیہ‘‘ پر جبراً قبضہ کرنے اور اسے جبراً مسجد میں تبدیل کرنے کا روس کے آرتھوڈوکس عیسائیوں کے پاس کوئی دستاویزی ثبوت ہے؟ کیونکہ یہ ثابت کرنا مدعی یا مدعیان کا کام ہے کہ کلیسا کو جبراً مسجد میں تبدیل کیا گیا تھا۔ لہٰذا ’’شک کا فائدہ‘‘ سلطان محمد فاتح کو ملے گا۔ اور اگر سلطان محمد فاتح نے اسے صحیح طور پر اور جائز طریقے سے مسجد میں تبدیل کیا تھا تو پھر مصطفیٰ کمال پاشا نے آیا صوفیہ کو عجائب گھر میں تبدیل کر کے ظلم کیا تھا اور مسلمانوں کو اصل زک سیکولر اور لبرل سوچ نے پہنچائی تھی‘ اور ترکی کے موجودہ حکمران طیب اردگان کا اُس کو دوبارہ مسجد میں تبدیل کرنا جائز اور برحق فیصلہ ہے۔

(باقی صفحہ 97 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃ مُحَمَّدؐ

تمہیدی کلمات

سورۃ الاحقاف کے اختتام پر مکّی مدنی سورتوں کے پانچویں گروپ کی تیرہ مکی سورتوں (سورۃ سبا تا سورۃ الاحقاف) کا مطالعہ مکمل ہو گیا۔ اب ہم اس گروپ کی تین مدنی سورتوں کا مطالعہ کریں گے۔ ان میں پہلی دو سورتیں یعنی سورۂ محمد (ﷺ) اور سورۃ الفتح تو ہم وزن ہیں اور ان میں باہم جوڑے کا تعلق بھی ہے' جبکہ تیسری سورت یعنی سورۃ الحجرات کو سورۃ الفتح کا ضمیمہ کہا جا سکتا ہے' اگرچہ سورۃ الحجرات مسلمانوں کی سیاسی وملی زندگی کے استحکام کے لیے ہدایات کے اعتبار سے قرآن حکیم کی اہم ترین سورت ہے۔

سورۂ محمد اور سورۃ الفتح کی باہمی نسبت ان دونوں کی ترتیب کے اس ربط سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ان میں پہلی سورت کی نسبت حضور ﷺ کی مسلّح جِدّوجُہد کے آغاز سے ہے جبکہ دوسری کا تعلق اس جِدّوجُہد کے اختتام سے ہے۔ یعنی سورۂ محمد کا نزول حضور ﷺ کی انقلابی جِدّوجُہد کے مرحلۂ تصادم کے آغاز (غزوۂ بدر) سے متصلاً قبل ہوا جبکہ سورۃ الفتح اس مرحلے کی آخری فتح یعنی فتح مکہ سے متصلاً قبل نازل ہوئی۔

سورۂ محمد کا دوسرا نام ''سورۃ القتال'' بھی ہے۔ اپنے زمانۂ نزول کے اعتبار سے یہ گویا سورۃ البقرۃ کا ضمیمہ ہے۔ سورۃ البقرۃ کی بیشتر آیات ہجرت کے بعد سے لے کر غزوۂ بدر تک کے زمانہ میں نازل ہوئیں اور اس کے مکمل ہونے کے فوراً بعد اور غزوۂ بدر سے متصلاً قبل سورۂ محمد اس وقت نازل ہوئی جب حضور ﷺ کی تحریک ''اقدام'' کے مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ اس مرحلے کا آغاز سورۃ الحج کے اس حکم سے ہوا: ﴿اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ﴾ (آیت ۳۹) ''اب اجازت دی جا رہی ہے (قتال کی) ان لوگوں کو جن پر جنگ مسلط کی گئی ہے' اس لیے کہ ان

پر ظلم کیا گیا ہے۔''

اس سے پہلے مکی دور کے دوران مسلمان صبرِ محض (passive resistance) اور ہاتھ بندھے رکھنے کی حکمت عملی پر عمل پیرا تھے اور اس دور میں انہیں اپنے دفاع میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ چنانچہ جب حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ کپڑے اتار دو تو آپؓ نے اتار دیے' پھر جب کہا گیا کہ دہکتے ہوئے انگاروں پر پشت کے بل لیٹ جاؤ تو آپؓ نے اس حکم کی بھی بلاحیل وحجت تعمیل کی۔ اسی طرح ابوجہل علی الاعلان آلِ یاسر رضی اللہ عنہم کو وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنایا کرتا تھا لیکن کسی مسلمان کو مداخلت کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

بہرحال سورۃ الحج کی مذکورہ آیت کے نزول کے بعد حکمت عملی یکسر تبدیل ہو گئی۔ اب تو گویا سربکف ہو کر میدان میں نکلنے کا حکم تھا۔ یہ حکم ان لوگوں کے لیے بہت بھاری تھا جن کے دلوں میں روگ تھا۔ چنانچہ منافقین اصلاح اور صلح جوئی کے نام پر جہاد وقتال کے خلاف ہر وقت ہرزہ سرائی کرتے رہتے تھے کہ اس لڑائی بھڑائی کا کیا فائدہ؟...... اگر کوئی دشمن گُڑ کھلانے سے مر جائے تو اسے زہر دینے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟...... ہمیں تو اپنے دعوت وتبلیغ کے کام کو جاری رکھنا چاہیے...... قریش مکہ کے خلاف مہم جوئی کرنا اچھا اقدام نہیں...... ان کے تجارتی قافلوں کے تعاقب جیسی چھیڑ چھاڑ کرنے کے خطرناک نتائج نکلیں گے...... وغیرہ وغیرہ۔ وہ اس طرح کی باتیں دراصل اپنے بچاؤ کے لیے کرتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ کسی امتحان میں پڑیں اور ان کا اصل چہرہ بے نقاب ہو۔ سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع میں ان کے کردار کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے: ﴿وَاِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ ﴿۱۱﴾ اَلَاۤ اِنَّہُمۡ ہُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَلٰکِنۡ لَّا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۲﴾﴾ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ مت فساد کرو زمین میں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ! حقیقت میں یہی لوگ مفسد ہیں' مگر انہیں شعور نہیں۔''

منافقین کی طرف سے پیدا کردہ منفی پروپیگنڈے کے اسی ماحول میں سورۂ محمد (ﷺ) نازل ہوئی۔ اسلوب کے اعتبار سے یہ سورت پورے قرآن میں بالکل منفرد ہے۔ دوسری سورتوں کی طرح سورۂ محمدؐ کے آغاز میں حروفِ مقطعات یا حمد یہ الفاظ یا قرآن کی تنزیل وعظمت کے بارے میں تعارفی کلمات پر مبنی کوئی اسلوب بھی نہیں پایا جاتا' بلکہ اس کا آغاز بغیر کسی تمہید کے

بالکل یک لخت (abruptly) ہوتا ہے اور وہ بھی لفظ اَلَّذِیۡنَ سے‘ جو کہ کسی جملے کے آغاز کے لیے عام اسلوب نہیں ہے۔ اسی طرح اس سورت کا اختتام بھی عام سورتوں کے انداز سے ہٹ کر اچانک اختتامیہ کلمات کے بغیر ہی ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس سورت کی ہر آیت کا بھی یہی انداز ہے۔ یعنی اس کی ہر آیت یک لخت شروع ہوتی ہے اور اسی طرح یک لخت ختم ہو جاتی ہے۔ دوسری اکثر سورتوں کے اسلوب کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ عام طور پر ان کی آیات کا اختتام اسمائے حسنیٰ یا اللہ تعالیٰ کی صفات کے ذکر پر ہوتا ہے‘ لیکن اس سورت کی آیات میں یہ اسلوب بھی نظر نہیں آتا۔ گویا اپنے اسلوب اور انداز کے اعتبار سے یہ ایک بالکل ہی منفرد سورت ہے۔

آیات ۱ تا ۱۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۱﴾ وَ
الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ
ہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۙ کَفَّرَ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَ اَصۡلَحَ بَالَہُمۡ ﴿۲﴾ ذٰلِکَ
بِاَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا اتَّبَعُوا الۡبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا
الۡحَقَّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ؕ کَذٰلِکَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ لِلنَّاسِ اَمۡثَالَہُمۡ ﴿۳﴾ فَاِذَا
لَقِیۡتُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَضَرۡبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡہُمۡ
فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ ٭ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الۡحَرۡبُ
اَوۡزَارَہَا ۬ۚۛ ذٰلِکَ ؕۛ وَ لَوۡ یَشَآءُ اللّٰہُ لَانۡتَصَرَ مِنۡہُمۡ وَ لٰکِنۡ لِّیَبۡلُوَا۠
بَعۡضَکُمۡ بِبَعۡضٍ ؕ وَ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَلَنۡ یُّضِلَّ
اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۴﴾ سَیَہۡدِیۡہِمۡ وَ یُصۡلِحُ بَالَہُمۡ ﴿۵﴾ۚ وَ یُدۡخِلُہُمُ الۡجَنَّۃَ
عَرَّفَہَا لَہُمۡ ﴿۶﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰہَ یَنۡصُرۡکُمۡ وَ
یُثَبِّتۡ اَقۡدَامَکُمۡ ﴿۷﴾ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَتَعۡسًا لَّہُمۡ وَ اَضَلَّ

اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۸﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ کَرِہُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاَحۡبَطَ
اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۹﴾ اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ
عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ دَمَّرَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ ۫ وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ
اَمۡثَالُہَا ﴿۱۰﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ مَوۡلَی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ اَنَّ الۡکٰفِرِیۡنَ لَا
مَوۡلٰی لَہُمۡ ﴿۱۱﴾٪ اِنَّ اللّٰہَ یُدۡخِلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ؕ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یَتَمَتَّعُوۡنَ وَ
یَاۡکُلُوۡنَ کَمَا تَاۡکُلُ الۡاَنۡعَامُ وَ النَّارُ مَثۡوًی لَّہُمۡ ﴿۱۲﴾ وَ کَاَیِّنۡ مِّنۡ
قَرۡیَۃٍ ہِیَ اَشَدُّ قُوَّۃً مِّنۡ قَرۡیَتِکَ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَتۡکَ ۚ اَہۡلَکۡنٰہُمۡ فَلَا
نَاصِرَ لَہُمۡ ﴿۱۳﴾ اَفَمَنۡ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنۡ رَّبِّہٖ کَمَنۡ زُیِّنَ لَہٗ
سُوۡٓءُ عَمَلِہٖ وَ اتَّبَعُوۡۤا اَہۡوَآءَہُمۡ ﴿۱۴﴾ مَثَلُ الۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ وُعِدَ
الۡمُتَّقُوۡنَ ؕ فِیۡہَاۤ اَنۡہٰرٌ مِّنۡ مَّآءٍ غَیۡرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنۡہٰرٌ مِّنۡ لَّبَنٍ لَّمۡ
یَتَغَیَّرۡ طَعۡمُہٗ ۚ وَ اَنۡہٰرٌ مِّنۡ خَمۡرٍ لَّذَّۃٍ لِّلشّٰرِبِیۡنَ ۬ۚ وَ اَنۡہٰرٌ مِّنۡ
عَسَلٍ مُّصَفًّی ؕ وَ لَہُمۡ فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغۡفِرَۃٌ مِّنۡ
رَّبِّہِمۡ ؕ کَمَنۡ ہُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَ سُقُوۡا مَآءً حَمِیۡمًا فَقَطَّعَ
اَمۡعَآءَہُمۡ ﴿۱۵﴾

آیت ۱ ﴿اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ①﴾ ’’جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا (اور خود بھی رکے) اللہ نے ان کی ساری جدّوجہد کو رائیگاں کر دیا۔‘‘

صَدَّ یَصُدُّ کے بارے میں قبل ازیں بھی وضاحت کی جا چکی ہے کہ یہ فعل لازم بھی ہے اور متعدی بھی۔ یعنی اس کے معنی خود رُکنے اور باز رہنے کے بھی ہیں اور دوسرے کو روکنے کے بھی۔ یہ آیت اپنے مفہوم میں اہلِ ایمان کے لیے ایک بہت بڑی خوش خبری ہے کہ دعوتِ حق کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے اب تک مخالفینِ حق نے جو جدّوجُہد بھی کی ہے وہ سب اکارت ہو چکی ہے اور تمام تر مخالفتوں کے باوجود انقلابِ نبویؐ کا قافلہ عنقریب اپنی منزلِ مقصود پر

خیمہ زن ہونے والا ہے۔

آیت ۲ ﴿وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ۙ﴾ ’’اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے اور جو ایمان لائے اُس شے پر جو نازل کی گئی محمد (ﷺ) پر اور وہ حق ہے ان کے ربّ کی طرف سے‘‘

﴿كَفَّرَ عَنۡهُمۡ سَیِّاٰتِهِمۡ وَاَصۡلَحَ بَالَهُمۡ ۲﴾ ’’اللہ نے دور کر دیں ان سے ان کی خطائیں اور ان کے حال کو سنوار دیا۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام ؓ کو مسلسل آزمائشوں کی بھٹیوں میں سے گزار کر ان کی شخصیات کو کُندن بنا دیا۔ اس کی نظرِ رحمت سے اُن کی سیرتیں ایمان و یقین کے نور سے جگمگانے لگیں اور ان کے کردار' اخلاق و عمل کی خوشبو سے مہک اٹھے۔

آیت ۳ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الۡبَاطِلَ﴾ ’’یہ اس لیے کہ جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے باطل کی پیروی کی‘‘

﴿وَاَنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الۡحَقَّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ؕ﴾ ’’اور جو لوگ ایمان لائے انہوں نے حق کی پیروی کی' جو ان کے رب کی طرف سے آیا ہے۔‘‘

﴿كَذٰلِكَ یَضۡرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمۡثَالَهُمۡ ۳﴾ ’’اسی طرح اللہ لوگوں کے لیے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے۔‘‘

اگلی آیت مشکلات القرآن میں سے ہے۔ اس کی بنیادی وجہ الفاظ کی وہ تقدیم و تاخیر ہے جو ہمیں قرآن کی آیات میں بعض جگہ نظر آتی ہے۔ جیسا کہ کئی مرتبہ وضاحت کی جا چکی ہے' الفاظ کی یہ تقدیم و تاخیر قرآن کا خاص اسلوب ہے اور اس کا مقصد کلام کی روانی میں ایک خاص ردھم اور آہنگ کو قائم رکھنا ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں جہاں کہیں بھی ایسا معاملہ ہو وہاں مفہوم کے درست ادراک کے لیے الفاظ کی اصل ترتیب کے بارے میں گہرے غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس آیت کے مطالعے کے لیے بھی خصوصی توجہ درکار ہے۔

آیت ۴ ﴿فَاِذَا لَقِیۡتُمُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوا﴾ ’’تو (اے مسلمانو!) جب تمہاری مڈبھیڑ ہو کافروں سے‘‘

اب جبکہ تمہاری جدّوجہد مسلح تصادم کے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے اور تم لوگ تلوار کا جواب تلوار سے دینے کے لیے میدان میں اُتر پڑے ہو تو جب ان کافروں سے تمہارے مقابلہ کی نوبت آئے:

﴿فَضَرۡبَ الرِّقَابِ ؕ﴾ ’’تو ان کی گردنیں مارنا ہے!‘‘

اب میدان کارزار میں تمہاری پہلی ترجیح یہی ہونی چاہیے کہ جو دشمنِ حق تمہارے سامنے آئے وہ بچ کر نہ جائے۔ لہٰذا ان کی گردنیں اُڑاؤ' انہیں قتل کرو!

﴿حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡهُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ ۙ﴾ ’’یہاں تک کہ جب تم انہیں اچھی طرح سے کُچل دو تب انہیں مضبوطی کے ساتھ باندھو‘‘

یعنی اس مرحلے پر تم بچے کھچے لوگوں کو قیدی بنا سکتے ہو۔

﴿فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الۡحَرۡبُ اَوۡزَارَهَا ۚ﴾ ’’پھر اس کے بعد (تم انہیں چھوڑ سکتے ہو) احسان کر کے یا فدیہ لے کر' یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔‘‘

اس آیت کے الفاظ میں تقدیم و تاخیر کے اسلوب پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ الفاظ کی اصل ترتیب یوں ہے: ’’فَضَرۡبَ الرِّقَابِ، حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡهُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ، حَتّٰی تَضَعَ الۡحَرۡبُ اَوۡزَارَهَا فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَاِمَّا فِدَآءً‘‘۔ گویا اس جملے کے مطابق مقابلے کے مختلف مراحل کی ترتیب یہ ہوگی: پہلے ان کی گردنیں مارو' جب ان کی طاقت اچھی طرح کچل ڈالی جائے تب انہیں قید میں مضبوط باندھو۔ پھر جب جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے تو اس کے بعد انہیں چھوڑا جا سکتا ہے' چاہے احسان کر کے چھوڑ دو یا فدیہ لے کر۔

آیت کے درست مفہوم تک پہنچنے کے لیے اس اہم فلسفے کو بھی سمجھنا ضروری ہے جو یہاں ’’حَتّٰی تَضَعَ الۡحَرۡبُ اَوۡزَارَهَا‘‘ کے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ اس کے لیے انگریزی کے دو الفاظ war اور battle کو ذہن میں رکھیے۔ war سے مراد دو فریقوں کی باہمی محاذ آرائی اور کشمکش ہے جو ایک فریق کے فتح یاب اور دوسرے کے سرنگوں ہونے تک جاری رہتی ہے' جبکہ battle سے مراد اس محاذ آرائی کے دوران متعلقہ فریقوں کے درمیان ہونے والا کوئی خاص معرکہ ہے۔ گویا ایک جنگ (war) کے دوران میں کئی لڑائیاں (battles) ہو سکتی ہیں۔ اب

رسول اللہ ﷺ کی جدّوجُہد کے حوالے سے اس نکتے کو یوں سمجھیے کہ مدنی دور میں غلبۂ دین کی جنگ (war) چھ سال تک مسلسل جاری رہی —— اس میں صرف صلح حدیبیہ کی وجہ سے کچھ مدت کے لیے ایک وقفہ آیا تھا —— اس جنگ کے دوران غزوۂ بدر (Battle of Badar)، غزوۂ اُحد (Battle of Uhad)، غزوۂ احزاب (Battle of Ahzaab)، غزوۂ بنی مصطلق (Battle of Bani Mustalaq) اور بہت سی دوسری لڑائیاں لڑی گئیں۔ لیکن جنگ (war) نے مکمل طور پر ہتھیار اُس وقت ڈالے جب پورے جزیرہ نمائے عرب میں اللہ کا دین اس حد تک غالب ہو گیا کہ اس کے مقابلے میں باطل کی طرف سے کسی قسم کی کوئی مزاحمت باقی نہ رہی۔

چنانچہ زیر مطالعہ آیت میں جو حکمت بیان ہوئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اقامتِ دین کی جدّوجُہد کے آخری مرحلے یعنی مسلّح تصادم میں جب باطل قوتوں کو علی الاعلان للکارا جا چکا ہو اور مردانِ حق اپنے سروں پر کفن باندھ کر میدانِ کارزار میں اُتر پڑے ہوں تو یہ پنجہ آزمائی اس وقت تک جاری رہے گی جب تک باطل پوری طرح سرنگوں نہ ہو جائے۔ اس دوران کسی مہم یا کسی لڑائی میں پکڑے جانے والے قیدیوں کو کسی بھی شرط پر آزاد کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ انہیں اگلے معرکے میں دوبارہ اپنے مقابلے میں آنے کا موقع دے رہے ہیں۔ جیسے غزوۂ بدر میں کفار کے ستر (۷۰) جنگجوؤں کے مارے جانے سے ان کی طاقت کو ایک حد تک تو نقصان پہنچا تھا، مگر ان کی جنگی صلاحیت پوری طرح ختم نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ ان کے ۷۰ قیدیوں کی آزادی ان کے لیے پھر سے تقویت کا باعث بن گئی اور فدیہ دے کر آزاد ہونے والے قیدیوں میں سے اکثر افراد اگلے سال مسلمانوں کے مقابلے کے لیے پھر سے میدان میں تھے۔

دوسری طرف اس حوالے سے ایک نکتہ یہ بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ غزوۂ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے سے متعلق حضور ﷺ کا فیصلہ ایک اجتہاد تھا، جس کا تعلق جانچ (judgement) سے تھا۔ یعنی اس معاملے میں حضور ﷺ کا اندازہ تھا کہ کفار کی طاقت کچلی جا چکی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ بہرحال اجتہاد کی دونوں صورتیں (خطا اور صواب) ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہیں اور دونوں پر ہی اجر بھی ملتا ہے۔ البتہ اجتہاد میں تصویب کی صورت میں دہرے اجر کا وعدہ ہے۔ آیت زیر مطالعہ میں چونکہ قیدیوں کو فدیے

کے عوض رہا کرنے کا اختیار دیا گیا تھا اس لیے حضور ﷺ نے اس اختیار کی رو سے مذکورہ فیصلہ فرمایا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو بہتر طور پر معلوم تھا کہ کفر کی جنگی صلاحیت ابھی ختم نہیں ہوئی۔ اسی لیے سورۃ الانفال (جو اس سورت کے بعد نازل ہوئی) میں حضور ﷺ کے اس فیصلے سے متعلق یہ تبصرہ نازل ہوا تھا: ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾﴾ ''کسی نبی کے لیے یہ روا نہیں کہ اُس کے قبضے میں قیدی ہوں جب تک کہ وہ (کافروں کو قتل کر کے) زمین میں خوب خوں ریزی نہ کر دے۔ تم دنیا کا ساز و سامان چاہتے ہو' اور اللہ کے پیش نظر آخرت ہے' اور اللہ عزیز اور حکیم ہے''۔ ﴿لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾﴾ ''اگر اللہ کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو جو کچھ (فدیہ وغیرہ) تم نے لیا ہے اس کے باعث تم پر بڑا سخت عذاب آتا''۔ یہاں ''کِتٰب'' سے مراد آیت زیر مطالعہ کا یہ حکم ہے جس میں فدیہ کے عوض قیدیوں کو چھوڑنے کی اجازت دی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۂ محمد (ﷺ) کی آیت ۴ کا حکم پہلے سے نازل نہ ہو چکا ہوتا تو فدیہ لینے کی وجہ سے تم پر سخت گرفت ہوتی۔ ﴿فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ڮ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾﴾ ''تو اب کھاؤ جو تمہیں ملا ہے غنیمت میں سے (کہ وہ تمہارے لیے) حلال اور طیب (ہے)' اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا' رحم فرمانے والا ہے''۔

سورۃ الانفال کی یہ آیت بھی مشکلات القرآن میں سے ہے اور اس کو سمجھنے کے لیے بھی آیت زیر مطالعہ کی درست تفہیم ضروری ہے۔ بہرحال آیت زیر مطالعہ کے حکم کا خلاصہ یہ ہے کہ جب دشمن سے تمہارا مقابلہ ہو تو انہیں خوب قتل کرو، پھر جب کفر کی کمر پوری طرح ٹوٹ جائے تو ان کے بچے کھچے زندہ افراد کو قیدی بھی بنایا جا سکتا ہے۔ پھر جب دشمن کی طرف سے مزاحمت بالکل ختم ہو جائے اور اس کے خلاف تمہاری جنگ اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے تو قیدیوں کو آزاد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، چاہے ان کے عوض فدیہ لے لو یا احسان کرتے ہوئے بلا معاوضہ انہیں رہا کر دو۔

﴿ذٰلِكَ ڔ وَلَوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ﴾ ''یہ ہے (اس بارے میں حکم)' اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لے لیتا''

﴿وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ﴾ ''لیکن اللہ آزماتا ہے تمہارے بعض لوگوں کو بعض دوسروں کے ذریعے سے۔''

اللہ تعالیٰ ان کفار سے خود بھی انتقام لے سکتا تھا۔ وہ چاہتا تو میدانِ بدر میں کفار کے ایک ہزار نفوس پر مشتمل لشکر کو آنِ واحد میں بھسم کر کے رکھ دیتا۔ لیکن اس نے تمہارے تین سو تیرہ افراد کو ایک ہزار کے طاقت ور لشکر کے مقابلے میں لا کر تمہارے صبر و ایمان اور جذبۂ استقامت کا امتحان لینا پسند کیا۔

﴿وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ④﴾ ''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے تو اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔''

اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا انہیں بھرپور صلہ دے گا۔

آیت ۵ ﴿سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ⑤﴾ ''وہ ان کی راہنمائی کرے گا اور ان کے احوال کو سنوار دے گا۔''

آیت ۶ ﴿وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ⑥﴾ ''اور داخل کرے گا انہیں جنت میں جس کی ان کو پہچان کرادی ہے۔''

یعنی جنت اور اس کی نعمتوں کا قرآن میں تفصیلی تعارف کرادیا گیا ہے۔

آیت ۷ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ⑦﴾ ''اے اہلِ ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور وہ تمہارے قدموں کو جما دے گا۔''

یہ اللہ تعالیٰ کا بہت اہم قانون ہے۔ اگر تم لوگ اللہ کے فرماں بردار بندے بن کر رہو گے، اسی سے مدد مانگو گے، اسی پر توکل کرو گے اور اس کے دین کے غلبے کی جدوجہد کو اپنی زندگی کا مشن بنا لو گے تو وہ تمہیں بے سہارا اور بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا، بلکہ ایسی صورت میں ہر جگہ، ہر گھڑی اس کی مدد آپ لوگوں کے شاملِ حال رہے گی۔ لیکن اس کے برعکس اگر تم لوگ اللہ کے دشمنوں کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھاؤ گے، ان کی وفاداریوں کا دم بھرو گے، انہیں اپنا حمایتی اور مددگار سمجھو گے، تو اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دے گا۔ پھر تم اللہ سے رو رو کر بھی دعائیں کرو گے تو اس کے حضور تمہاری شنوائی نہیں ہوگی۔

اس کی عملی مثال ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ میں سامنے آئی تھی۔ اس جنگ کے دوران پاکستان کی کامیابی کے لیے مسجد الحرام اور مسجد نبویؐ کے اندر تواتر کے ساتھ قنوتِ نازلہ پڑھی جاتی رہی، مگر عین اسی وقت ہمارے حکمرانوں کی حالت یہ تھی کہ وہ مدد اور حمایت کے لیے اللہ کے دشمنوں کے سامنے سجدہ ریز ہو کر ان کی مدد کا انتظار کر رہے تھے۔ یعنی دعائیں تو اللہ سے مانگی جا رہی تھیں لیکن بھروسا امریکہ کے ساتویں بحری بیڑے پر تھا۔ لہٰذا دنیا نے دیکھ لیا کہ حرمین شریفین کے اندر مانگی گئی دعائیں بھی اللہ تعالیٰ کے حضور درجہ قبولیت حاصل نہ کر سکیں اور سقوطِ ڈھاکہ کا بدترین سانحہ رونما ہو کر رہا۔ اس صورتِ حال کا تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ قومی و ملکی سطح پر اتنی بڑی ہزیمت اور ذلت اٹھانے کے بعد بھی ہم نے اپنی روش تبدیل نہیں کی۔ چنانچہ آج بھی ہماری حالت یہ ہے کہ ہم نے بدستور اللہ کے باغیوں کے سامنے مدد کے لیے ہاتھ پھیلا رکھے ہیں۔ ہمارے حکمران آج بھی انہی کو اپنا سرپرست سمجھتے ہیں اور انہیں کی مدد پر بھروسا کیے بیٹھے ہیں۔ ادھر پورے ملک کی معیشت ہے کہ بڑے دھڑلے سے سود پر چل رہی ہے۔ گویا ملک کے اندر ہم نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ کھلم کھلا اعلانِ جنگ کر رکھا ہے۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں بھلا کیونکر سنے گا اور کیونکر اس کی مدد ہمارے شاملِ حال ہو گی؟

بہرحال آیت زیر مطالعہ میں اس حوالے سے ہمارے لیے راہنمائی بھی ہے اور خوشخبری بھی کہ اگر تم اللہ کی اطاعت میں مخلص رہو گے، اس کے دین کے جھنڈے کو تھامے رکھو گے اور اقامتِ دین کی جِدّوجُہد میں اپنا تن من دھن لگانے کے لیے آمادہ رہو گے تو وہ تمہاری مدد کے لیے ہر جگہ تمہارے ساتھ موجود ہو گا اور تمہارے دشمنوں کے مقابلے میں تمہارے قدم جمائے رکھے گا۔

آیت ۸ ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ⑧﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تو اُن کے لیے ناکامی ہے اور وہ ان کے تمام اعمال کو برباد کر دے گا۔''

تَعْس کا معنی ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گرنا ہے، گویا ناکام و نامراد اور ذلیل و رسوا ہونا۔ اور اس سے مراد ہلاکت بھی ہے۔ یعنی جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی وہ دنیا کی زندگی میں بھی خائب و خاسر اور ذلیل و رسوا ہوں گے، ٹھوکریں کھا کر منہ کے بل گرنا ان کا مقدر ہو گا۔ قیامت کے

دن ایسے لوگ راندۂ درگاہ کر دیے جائیں گے اور حصولِ دنیا کے لیے کی جانے والی ان کی تمام جدّوجُہد ان کے کسی کام نہیں آسکے گی۔

آیت ۹ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۹﴾ ’’یہ اس لیے کہ انہوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جو اللہ نے نازل کی تو اُس نے ان کے تمام اعمال کو ضائع کر دیا۔‘‘

ایسے لوگوں کے نامہ ہائے اعمال میں جو نیک اعمال ہوں گے وہ بھی سب کے سب ضائع کر دیے جائیں گے۔ جیسے مشرکین میں سے بعض لوگ غریبوں کو کھانا کھلاتے تھے اور حاجیوں کی مہمان نوازی کا خصوصی اہتمام کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ بہت نیکی کے کام کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کو سورۃ التوبہ کی آیت ۱۹ میں دوٹوک انداز میں بتا دیا گیا: ﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ﴾ ’’کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجدِ حرام کو آباد رکھنے کو برابر کر دیا ہے اُس شخص (کے اعمال) کے جو ایمان لایا اللہ پر اور یوم آخرت پر اور اس نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں؟ یہ برابر نہیں ہو سکتے اللہ کے نزدیک‘‘۔ بہرحال یہ اللہ کا حتمی فیصلہ اور اٹل قانون ہے کہ اگر کوئی اللہ کے نازل کردہ قرآن کو ناپسند کرتا ہے تو اس کے تمام نیک اعمال بھی برباد ہو جائیں گے اور توشۂ آخرت کے طور پر اس کے پاس کچھ بھی نہ بچے گا۔

آیت ۱۰ ﴿اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ﴾ ’’تو کیا یہ زمین میں گھومے پھرے نہیں کہ وہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوا اُن لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے!‘‘

﴿دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ۫ وَلِلْكٰفِرِیْنَ اَمْثَالُهَا ۝۱۰﴾ ’’اللہ نے ان پر ہلاکت کو مسلط کر دیا‘ اور ان کافروں کے لیے بھی ان ہی کی مثالیں ہوں گی۔‘‘

جن نتائج سے پہلے گزرنے والی کافر اقوام دوچار ہوئیں ویسے ہی ہلاکت خیز نتائج ان کافروں کا مقدر ہیں۔

آیت ۱۱ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝۱۱﴾ ’’یہ اس لیے کہ اللہ مولیٰ (پشت پناہ) ہے اہلِ ایمان کا اور یہ کہ کافروں کا کوئی مولیٰ ہے

ہی نہیں۔‘‘

اسی آیت کے الفاظ سے رسول اللہ ﷺ نے وہ نعرہ اخذ فرمایا تھا جس سے میدانِ اُحد میں کفار کے نعرے کا جواب دیا گیا تھا۔ میدانِ اُحد میں وقتی طور پر مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تو اس دوران رسول اللہ ﷺ کچھ صحابہؓ کے ساتھ جبل اُحد پر تشریف لے گئے تھے۔ اُس وقت ابوسفیان اور خالد بن ولید (بعد میں دونوں حضرات ایمان لا کر صحابہؓ میں شامل ہوئے) سمیت بہت سے سردارانِ قریش پہاڑ کے دامن میں موجود تھے۔ ان میں سے ابوسفیان نے حضور ﷺ اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے پُرجوش انداز میں نعرہ بلند کیا تھا: اُعْلُ ھُبَل، اُعْلُ ھُبَل! (ہبل کی جے!) یعنی آج ہمارے بُت ہُبل کا بول بالا ہوا ---- رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اس نعرے کا جواب ان الفاظ سے دیں: اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَل! یعنی اللہ ہی سب سے بلند مرتبہ اور بزرگ و برتر ہے‘ اسی کا بول بالا ہے! اس کے جواب میں ابوسفیان نے ایک اور نعرہ لگایا: لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ کہ ہمارے لیے تو عزیٰ جیسی دیوی مدد کے لیے موجود ہے لیکن تمہاری تو کوئی عزیٰ ہی نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے مسلمانوں کو اس کا جواب اس نعرے سے دینے کا حکم دیا: اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ کہ ہمارا مولیٰ (مددگار‘ پشت پناہ اور کارساز) تو اللہ ہے‘ جبکہ تمہارا تو کوئی مولیٰ ہے ہی نہیں۔[1]

آیت ۱۲ ﴿اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ﴾ ’’یقیناً اللہ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ان باغات میں جن کے دامن میں نہریں بہتی ہوں گی۔‘‘

﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝۱۲﴾ ’’اور جو کافر ہیں وہ (دنیا میں) عیش کر رہے ہیں اور ایسے کھا رہے ہیں جیسے حیوانات کھاتے ہیں اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے۔‘‘

آیت ۱۳ ﴿وَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْیَتِكَ الَّتِیْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) کتنی ہی ایسی بستیاں تھیں جو کہیں زیادہ قوت کی حامل تھیں آپ کی اس

۱۔ صحیح البخاری‘ کتاب الجهاد والسیر‘ باب ما یکره من التنازع والاختلاف فی الحرب... ح:۳۰۳۹ و کتاب المغازی‘ باب غزوة أحد‘ ح:۴۰۴۳۔

بستی سے جس نے آپ کو نکالا ہے۔''

قریش نے اپنی طاقت کے زعم میں اللہ کے رسول ﷺ کو مکہ سے نکل جانے پر مجبور تو کر دیا ہے‘ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ان سے پہلے دنیا میں ان کے شہر سے کہیں بڑے بڑے شہر آباد تھے اور ان شہروں کے باسی ان سے کہیں بڑھ کر طاقت و شوکت کے حامل تھے مگر:

﴿اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝۱۳﴾ ''انہیں ہم نے ہلاک کر دیا‘ پس ان کا کوئی مددگار نہ ہوا۔''

آیت ۱۴ ﴿اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ ''تو بھلا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہے''

یعنی اس کی سرشت اور فطرت بھی نیک ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اس کو دی ہے وہ اس ہدایت پر بھی قائم ہے۔

﴿كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ۝۱۴﴾ ''وہ اُس شخص جیسا ہو جائے گا جس کے لیے اس کے بُرے اعمال مزین کر دیے گئے ہیں‘ اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی ہے۔''

ایسے لوگوں کو وہی کچھ نظر آتا ہے جو ان کی خواہشات کا آئینہ انہیں دکھاتا ہے اور ظاہر ہے یہ آئینہ تو کالے کرتوتوں کو بھی خوشنما بنا کر ہی دکھاتا ہے۔ اسی وجہ سے فرعون نے اہل مصر کی تہذیب و روایات کو مثالی ﴿بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ۝۶۳﴾ (طٰہٰ) قرار دیا تھا۔

آیت زیر مطالعہ میں جن دو کرداروں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں باہم کوئی مقابلہ یا موازنہ ہے ہی نہیں۔ ایک طرف اللہ کے وہ بندے ہیں جو اپنے رب کی طرف سے بینہ پر ہیں۔ یقیناً وہ کامیاب ہونے والے لوگ ہیں۔ جبکہ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس کی غلامی اور اپنی خواہشات کی پیروی میں زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ بہر حال ناکام و نامراد ہیں۔

آیت ۱۵ ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ﴾ ''مثال اُس جنت کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے متقین سے۔''

﴿فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ﴾ ''اُس میں نہریں ہیں پانی کی جس میں کوئی بُو

نہیں۔''

﴿وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ﴾ ''اور دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوتا۔''

﴿وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ﴾ ''اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جو سراپا لذت ہے پینے والوں کے لیے۔''

﴿وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ﴾ ''اور نہریں ہیں صاف شفاف شہد کی۔''

﴿وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ﴾ ''اور (مزید برآں) ان کے لیے ہوں گے اس میں ہر قسم کے پھل اور مغفرت ہو گی ان کے رب کی طرف سے۔''

تو بھلا وہ لوگ جو ان جنتوں کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے کیا وہ:

﴿كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ۝۱۵﴾ ''اُن جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہنے والے ہیں اور انہیں پلایا جائے گا کھولتا ہوا پانی جو ان کی انتڑیوں کو کاٹ کر رکھ دے گا۔'' ۞۞۞

ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
☆ بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
☆ بانی تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
☆ تلاوتِ قرآن‘ دروسِ قرآن‘ دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
☆ صحیح بخاری‘ صحیح مسلم‘ موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
☆ میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
☆ اردو اور انگریزی کتابیں
☆ آڈیو ر ویڈیو کیسٹس رسی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

حُدودُ اللہ کی حفاظت

قیامِ نظامِ خلافت کے داعیوں اور کارکنوں کے ذاتی اوصاف کے ضمن میں اہم ترین بنیادی وصف اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ

انجینئر مختار فاروقی

نظامِ خلافت کا قیام ایک کثیر الجہتی کام ہے جس کے شیدائیوں اور فدائیوں کے (مختلف پہلوؤں سے) کئی اوصاف قرآن مجید اور فرامین رسالت مآب ﷺ میں وارد ہوئے ہیں۔ خلافت کا قیام انفرادی و اجتماعی زندگی میں جن بنیادی تبدیلیوں کو بروئے کار لا کر ایک عادلانہ اجتماعی معاشرے کی تشکیل کا باعث بنتا ہے‘ وہ ناگزیر بنیادی اوصاف پہلے اس نظامِ خلافت کے قیام کے لیے کام کرنے والوں میں خالص ترین شکل میں موجود ہونا لازمی ولابدی امر ہے۔

سورۃ المائدہ میں نظام خلافت کے ایسے شیدائیوں اور فدائیوں کے لیے ان کی اللہ سے محبت اور فدائی جذبہ سے پہلے ان کے لیے محبوبِ الٰہی ہونے کا سرٹیفکیٹ موجود ہے۔ اسی طرح آپس میں رحیم وشفیق اور عدل اجتماعی کے قیام کے مخالفوں کے لیے ناقابلِ تسخیر اور لوہے کا چنا ہونے کا ذکر بھی ہے (آیت ۵۴)۔ بقول اقبال ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

یا فارسی میں انہوں نے یہی مضمون اس طرح ادا کیا ہے ؎

بروزِ بزم سراپا چوں پرنیاں و حریر
بروزِ رزم خود آگاہ و خود فراموشند

ان خوش بخت لوگوں کے کچھ اوصاف ایک دوسرے انداز میں سورۃ التوبہ کی آیات ۱۱۰‘۱۱۱ میں وارد ہوئے ہیں۔ ان اوصافِ حمیدہ میں سب سے آخر میں ’’اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ‘‘

کے الفاظ آئے ہیں اور انگریزی محاورے last but not the least کے مصداق اہمیت میں ایک لحاظ سے سب پر بھاری ہیں۔

پہلی نظر میں تو ’اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ‘ کے الفاظ بڑے سادہ سے ہیں اور مفہوم بھی بڑا واضح ہے کہ ان سے خدائی خدمت گار اور خدائی فوجدار کا تصوّر اُبھرتا ہے‘ تاہم قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ ﷺ کی روشنی میں ذرا گہرائی میں جائیں تو کئی دلچسپ پہلو سامنے آتے ہیں جو اخلاقی اور عملی ہر دو لحاظ سے بڑے معنی خیز ہیں۔

حُدُوْدُ اللّٰہ

’حُدُوْد‘ کا لفظ جمع ہے اور اس کا واحد ’حَدٌّ‘ ہے۔ حدود کا لفظ قرآن پاک میں ۱۴ مرتبہ آیا ہے‘ ۱۲ مرتبہ لفظ اللہ کی طرف مضاف ہو کر اور دو مرتبہ اس کے علاوہ۔

حد (جمع حدود) کے معنی اُردو زبان میں مستعمل مفہوم کی طرح کسی معاملے میں ملکیت یا استعمال کی اجازت کے آخری نشان اور خط کے ہیں‘ جیسے ملکوں کی حدود ہوتی ہیں۔ اسی طرح حدیث نبویؐ میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی کے مختلف شعبوں میں حدود متعین کر دی ہیں تاکہ ان کے اندر رہ کر انسان زندگی گزارے اور اس سے ہرگز تجاوز نہ کرے۔ ((اِنَّ اللّٰهَ حَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا)) (مستدرک حاکم‘ عن ابی ثعلبہ ؓ)

ایک عام دینی مزاج کے مسلمان کے ذہن میں ’’حدود اللہ‘‘ سے مراد اکثر و بیشتر بدکاری‘ چوری‘ ڈاکہ‘ قتل وغیرہ کی قرآنی سزائیں ہیں اور ’حدود اللہ‘ کے نفاذ یا اسلامی نظام یا اسلامی حکومت کے قیام کا مطلب انہی حدود اللہ کے نفاذ کا اہتمام کرنا ہے۔ ایک حدیث میں یہ لفظ اسی مفہوم میں آیا ہے:

((اِقَامَةُ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ مَطَرِ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً فِيْ بِلَادِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ)) (سنن ابن ماجہ‘ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما)

’’اللہ کی حدود میں سے کسی ایک حد کو قائم کرنا چالیس راتوں کی بارش سے بہتر ہے۔‘‘

تاہم قرآن مجید میں ’حدود اللہ‘ کی اصطلاح وسیع تناظر میں استعمال ہوئی ہے اور اس طرح حدود اللہ کے مفہوم میں وسعت پیدا ہو گئی ہے اور انسان کی نجی اور متأہل زندگی (family life) کا ایک اہم اور بظاہر نجی اور recreation کے انداز کا حصّہ بھی اس میں شامل ہو گیا ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ دین کے وہ احکام جو اجتماعی زندگی سے متعلق ہیں‘ جیسے چور کا ہاتھ کاٹنا‘ قاتل کی گرفتاری اور سزا وغیرہ‘ یہ مسلمانوں کے لیے انفرادی سطح کا کام نہیں ہے‘ بلکہ اس کے لیے ایک حکومت‘ ریاست‘ عدالتی نظام‘ پولیس‘ حوالات‘ جیل خانہ جات کے ساتھ تفتیش اور شہادتوں کا پورا ڈھانچہ ضروری ہے‘ تاکہ انصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں اور ایسا نہ ہو کہ لوگ جس کو چاہیں چور چور کہہ کر پکڑ لیں اور ہاتھ کاٹ ڈالیں۔ اس کے لیے نظامِ خلافت کا قیام ناگزیر ہے‘ اس کے بعد ہی ان حدود کا قیام عمل میں آ سکتا ہے۔ جبکہ نجی زندگی اور عائلی زندگی میں مذکورہ ’حدود اللہ‘ کے ضمن میں انفرادی سطح پر ہی انسان جوابدہ ہے اور عمل درآمد ضروری ہے۔

اس مضمون کا مدعا ہی یہ ہے کہ ’حدودُ اللہ‘ کی تشریح کر کے واضح کر دیا جائے کہ کونسی ’حدود‘ اجتماعی زندگی سے متعلق ہیں جن کے نفاذ کا معاملہ قیامِ نظامِ خلافت سے منسلک ہے اور کون سی ’حدود‘ انسان کی نجی اور متاہل زندگی سے متعلق ہیں جن کے لیے خادمانِ دینِ مبین اور نظامِ خلافت کے شیدائیوں اور فدائیوں کو خود ذاتی سطح پر اہتمام کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ اس ضمن میں پوری طرح جوابدہ ہیں۔ اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنَا حِسَابًا یَسِیْرًا۔ آمین! (ہم یہاں آسانی کے لیے نجی اور متاہل زندگی سے متعلق حدود کی نشان دہی کریں گے‘ جس سے ظاہر ہو گا کہ ان کے علاوہ دیگر جن معاملات پر حدود اللہ کے الفاظ کا اطلاق ہوتا ہے وہ اجتماعی زندگی سے متعلق ہیں۔)

قرآن مجید میں ’حُدُوۡدُ اللّٰہِ‘ کی اصطلاح

(۱) قرآن مجید میں حدود اللہ کی اصطلاح ترتیب مصحف میں سب سے پہلے سورۃ البقرۃ میں روزے کے احکام کے ساتھ آئی ہے۔ جہاں روزے کی حکمت‘ احکام اور تفاصیل آئی ہیں وہیں احکامِ صوم کی تفصیل میں رمضان المبارک کی راتوں میں اعتکاف کی حالت میں مرد (اور عورت) کے لیے کچھ پابندیوں کا تذکرہ ہے اور وہاں الفاظ یوں وارد ہوئے ہیں:

﴿تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ فَلَا تَقۡرَبُوۡہَا ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّہُمۡ یَتَّقُوۡنَ ﴿۱۸۷﴾﴾ (البقرۃ)

”یہ اللہ کی حدیں ہیں پس ہرگز ان کے پاس نہ جانا۔ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ وہ پرہیزگار بنیں۔“

گویا یہاں انسان کی نجی‘ ذاتی اور ازدواجی زندگی میں آزادروی اور آزاد منش سوچ پر

پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں اور یوں بندۂ مؤمن کو جو دل میں آئے کر گزرنے والی حیثیت سے نکال کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے آگے سرنگوں اور فرمانبردار کی حیثیت سے سامنے لایا گیا ہے اور ان ’حدود‘ کا روزے کی روحانی عبادت کے ساتھ تذکرہ کر کے اس سے جوڑ دیا گیا ہے‘ گویا یہ اس کا حصہ ہے۔ ضمنی طور پر ہمارے ذہنوں میں معروف دینی اور دنیاوی کاموں کی تقسیم کے تصور کو توڑ کر احکامِ الٰہی اور اس کی بندگی کی وحدت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

(۲) قرآن مجید کے آخری حصے میں سورۃ الطلاق (آیت ۱) میں بھی ’حُدُوۡدُ اللّٰہِ‘ کی اصطلاح آئی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے گھریلو زندگی میں طلاق جیسے اہم مسئلے کی تفصیلات دی ہیں اور ان تفصیلات کو ’حدود اللہ‘ سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہاں ایک ہی آیت میں دو دفعہ ’حُدُوۡدُ اللّٰہِ‘ کی اصطلاح آ گئی ہے۔

(۳) اسی طرح سورۃ النساء کے آغاز میں دو مرتبہ یہ اصطلاح وارد ہوئی ہے۔ اس سورۃ کے نام ’النساء‘ پر بحث کرتے ہوئے مفسرین نے یہی حکمت بیان فرمائی ہے کہ اس سورت میں خواتین‘ یتامیٰ اور معاشرے کے دیگر کمزور طبقات کے حقوق کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس میں وراثت کے احکام بھی بڑی جامعیت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خواتین کو بھی وراثت کا حقدار ٹھہرایا ہے اور عورت کو بڑی عزّت کا مقام دیا ہے۔

ان احکامِ وراثت کی تعمیل پر جنّت کا وعدہ ہے اور عدمِ تعمیل پر ’خلود فی النار‘ کی وعید سنائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ ؕ﴾

”یہ (تمام احکام) اللہ کی حدیں ہیں“

﴿وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ﴾

”اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر (ﷺ) کی فرمانبرداری کرے گا“

﴿یُدۡخِلۡہُ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ وَ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۱۳﴾﴾ (النساء)

”اللہ اس کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہ رہی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔“

﴿وَمَنۡ یَّعۡصِ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوۡدَہٗ﴾

’’اور جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے نکل جائے گا۔‘‘

﴿یُدۡخِلۡہُ نَارًا خَالِدًا فِیۡہَا ۪ وَلَہٗ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ﴿۱۴﴾﴾ (النساء)

’’اس کو اللہ دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا‘ اور اس کو ذلّت کا عذاب ہوگا۔‘‘

یہاں بھی دو مرتبہ حدود کی اصطلاح آئی ہے اور انسان کی نجی اور گھریلو زندگی کے ضمن میں آئی ہے۔

(۴) سورۃ المجادلہ (۲۸ ویں پارے) میں یہ اصطلاح آئی ہے جہاں فیملی لائف اور ازدواجی زندگی میں عرب جاہلیت کے دور کے ایک مذموم رواج اور قبائلی روایت ’ظہار‘ کو کالعدم قرار دینے کے بعد اس فعل کا ارتکاب کرنے والے کے لیے سزا تجویز کی گئی ہے۔ گویا ازدواجی زندگی میں مَردوں کو اگر قوامیّت حاصل ہے تو اس خاندان کے ادارے کو معروف معنی میں چلانا بھی مرد ہی کی ذمہ داری ہے۔ عورت کو بیوی اور بچوں کی پرورش کے بوجھ کی سزا سے بریٔ الذمہ قرار دیا ہے اور ظہار کرنے والے مَردوں کے لیے سزا مقرر فرمادی ہے اور ساتھ ظہار کو ایک ’لغو‘ فعل قرار دیا ہے کہ تمہاری مائیں تو صرف وہ ہیں جنہوں نے تمہیں جنا ہے‘ منہ سے کہنے سے کوئی ماں نہیں بن جاتی ____ ہاں یہ قول جھوٹ کا پلندا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ ؕ وَلِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۴﴾﴾ (المجادلة)

’’اور یہ اللہ کی حدیں ہے‘ اور نہ ماننے والوں کے لیے درد دینے والا عذاب ہے۔‘‘

(۵) سورۃ البقرۃ میں (دوسرے پارے کے آخر میں) اللہ تعالیٰ نے نجی اور ازدواجی زندگی کے بارے میں ضابطے اور احکام بڑی تفصیل کے ساتھ ایک ہی جگہ بیان فرمادیے ہیں اور یہ بحث تقریباً چار رکوعوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس بحث کے آغاز میں (آیات ۱۲۲ تا ۲۲۸) ازدواجی زندگی کے بارے میں انسانی فطرت اور خواہشات کے ضمن میں بعض بنیادی باتوں کا ذکر آیا ہے اور بعض ناپسندیدہ انسانی رویوں پر ناپسندیدگی کا اظہار بھی کیا گیا ہے۔

اس کے بعد حیران کن بات یہ ہے کہ دو آیتوں میں چھ مرتبہ ’حدود اللہ‘ کی اصطلاح آئی ہے اور یقیناً حکمت خداوندی میں ازدواجی زندگی کے بارے میں ان مذکورہ حدود کی اہمیت کے پیش

نظر ہی آئی ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاکٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِیۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ﴾

’’طلاق (صرف) دو بار ہے (یعنی دو دفعہ طلاق دے دی جائے تو) پھر (عورتوں کو) یا تو بطریق شائستہ (نکاح میں) رہنے دینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔‘‘

﴿وَلَا یَحِلُّ لَکُمۡ اَنۡ تَاۡخُذُوۡا مِمَّاۤ اٰتَیۡتُمُوۡہُنَّ شَیۡئًا﴾

’’اور یہ جائز نہیں کہ جو مہر تم ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو۔‘‘

﴿اِلَّاۤ اَنۡ یَّخَافَاۤ اَلَّا یُقِیۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰہِ ؕ﴾

’’ہاں اگر زن و شوہر کو خوف ہو کہ اللہ کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔‘‘

﴿فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا یُقِیۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰہِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡہِمَا فِیۡمَا افۡتَدَتۡ بِہٖ ؕ﴾

’’پھر اگر تم کو ڈر ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود قائم نہیں رکھ سکیں گے تو عورت رہائی پانے کے بدلے کچھ دے ڈالے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں۔‘‘

﴿تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ فَلَا تَعۡتَدُوۡہَا ۚ﴾

’’یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں ان سے باہر نہ نکلو۔‘‘

﴿وَمَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۲۹﴾﴾ (البقرۃ)

’’اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے باہر نکل جائیں گے وہ گنہگار ہوں گے۔‘‘

﴿فَاِنۡ طَلَّقَہَا فَلَا تَحِلُّ لَہٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰی تَنۡکِحَ زَوۡجًا غَیۡرَہٗ ؕ﴾

’’پھر اگر شوہر (دو طلاقوں کے بعد تیسری) طلاق عورت کو دے دے تو اس کے بعد جب تک عورت کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے اس (پہلے شوہر) پر حلال نہ ہوگی۔‘‘

﴿فَاِنۡ طَلَّقَہَا فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡہِمَاۤ اَنۡ یَّتَرَاجَعَاۤ اِنۡ ظَنَّاۤ اَنۡ یُّقِیۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰہِ ؕ﴾

’’ہاں اگر وہ (دوسرا خاوند) بھی اسے طلاق دے دے اور وہ (عورت اور پہلا خاوند) پھر ایک دوسرے کی طرف رجوع کرلیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ دونوں یقین رکھیں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے۔‘‘

﴿وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۲۳۰﴾ (البقرۃ)

’’اور یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کو وہ ان لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے جو دانش رکھتے ہیں (جو دانش ور ہیں)۔‘‘

ان آیات میں احکامِ الٰہی کی حکمت کے پیشِ نظر ’حدود‘ کی اصطلاح کے متعدد بار آنے کے باوجود اگلی آیت میں ارشاد ہے:

﴿...وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۡ﴾

’’.....اور اللہ کے احکام کو ہنسی (اور کھیل) نہ بناؤ‘‘

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ﴾

’’اور اللہ نے تم کو جو نعمتیں بخشی ہیں اور تم پر جو کتاب اور دانائی کی باتیں نازل کی ہیں جن سے وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے ان کو یاد کرو!‘‘

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۲۳۱﴾ (البقرۃ)

’’اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔‘‘

(۶) قرآن کریم میں ۱۴ مرتبہ وارد شدہ اس اصطلاح (حُدُوْدُ اللّٰهِ) میں سے ۱۲ مرتبہ صرف ازدواجی زندگی سے متعلق وارد ہونا یقیناً ازدواجی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ ’حدود‘ کی اہمیت کو واضح کرتا ہے‘ اور علم وحکمتِ الٰہی میں چونکہ انسان ان ’حدود‘ کی دانستہ و نادانستہ خلاف ورزی کر رہا ہے‘ اور صرف کافر نہیں مسلمان بھی کر رہے ہیں‘ لہٰذا اس پر تاکید اور تکرار کے ساتھ عمل کا مطالبہ ’حُدُوْدُ اللّٰهِ‘ کے محافظوں کے لیے بڑا اہم باب ہے۔

سورۃ الطلاق میں جہاں ’حُدُوْدُ اللّٰهِ‘ کا ذکر ہے وہاں ازدواجی زندگی میں طلاق کے احکام کے پس منظر میں یہ ذکر آیا ہے۔ انسان ماضی میں بھی اور آج بھی جب کہ تعلیم‘ وسائل اور ترقی کا غلغلہ ہے‘ گھریلو زندگی میں من مانی کرتے ہوئے کوئی ضابطہ اور قانون ماننے کو تیار نہیں ہے‘ جس کی وجہ سے آج دنیا بھر میں ’خاندان‘ کا وقار داؤ پر لگ گیا ہے‘ اور یہ خاندان کا ادارہ مغربی مفکرین دانستہ طور پر تباہ کرنے کے درپے ہیں۔

نسلِ انسانی کے تسلسل کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان میں جنسی جذبہ رکھا ہے اور ہر مرد اور عورت کو تخلیق فرما کر اپنے اپنے دائرہ کار میں ذمہ داریاں تفویض فرمائی ہیں تاکہ انسانی تمدن ترقی

پذیر رہے۔ تاریخ انسانی میں انسان اور مذہب ساتھ ساتھ آگے بڑھے ہیں۔ جب تک انسانی زندگی میں فکری اور عملی طور پر مذہب کا غلبہ رہا انسانی زندگی میں اخلاق و کردار کا پلڑا بھاری رہا اور معاشرے روبہ زوال ہو کر بھی پیغمبروں علیہم السلام اور مصلحین کے ذریعے مذہب اور آسمانی ہدایت کی طرف لوٹ آتے رہے۔ مگر ختم نبوت کے بعد اور سولہویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کے زوال کے بعد جنم لینے والے مغربی نظریات و افکار گزشتہ پانچ چھ صدیوں میں ایسے بے لگام اور منہ زور ہو گئے ہیں کہ الامان والحفیظ۔ آج کا انسان کسی شعبۂ زندگی میں بھی ’اخلاق‘ کی بات سننے کو تیار نہیں‘ اور ازدواجی زندگی اور جنسی تعلقات میں تو سرے سے کسی قدغن‘ پابندی اور سرزنش کا قائل نہیں رہا۔ چنانچہ اس کا نتیجہ ہے کہ آج کا انسان اس معاملے میں حیوانوں سے بھی بدتر ہو چکا ہے۔

مرد اور عورت کے باہمی تعلقات میں قرآن حکیم کی تعلیمات واضح ہیں اور وہ انسان اور نسلِ انسانی کو ایک خاص نظر سے دیکھتا ہے اور انسانی رویوں کو حیوانی رویوں سے بہت بالاتر توقع کرتا ہے۔ چنانچہ انسانوں کا لباس‘ قریبی رشتوں کا لحاظ اور اخلاقی حس ایسی بدیہی باتیں ہیں جو انسانوں کو حیوانوں سے ممیز کرتی ہیں۔ قرآن مجید کے مطابق انسانوں میں وراثت کی تقسیم اور نکاح کے لیے اپنے اور دوسرے خاندان کے لوگوں کے باپ دادا کے بارے میں بھی معلومات ضروری ہیں‘ نیز رشتوں کا لحاظ ضروری ہے اور حسب نسب کا واضح ہونا شرفِ انسانی ہے۔

آج مغرب کا ترقی یافتہ انسان اس ضمن میں نہ جنسی تعلقات میں رشتوں کا پاس کرتا ہے‘ نہ طلاق کے احکام کا‘ نہ وراثت کا —— لہٰذا قرآن مجید کے نزدیک یہ ایسا گھناؤنا جرم ہے کہ فطرت اس کی سخت ترین سزا دیتی ہے۔ اسی سورۃ الطلاق میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ﴾

’’اور بہت سی بستیوں (کے رہنے والوں) نے اپنے پروردگار اور اس کے پیغمبروں کے احکام سے سرکشی کی‘‘

﴿فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸﴾

’’تو ہم نے ان کو سخت حساب میں پکڑ لیا اور ان پر عذاب نازل کیا انوکھا (جو نہ دیکھا تھا نہ سنا)۔‘‘

ایسے معاشروں میں بے راہ روی کی وجہ سے نہ مرد خاندان کی ذمہ داریاں اُٹھانے کو تیار ہے اور نہ عورت زچگی اور امومت (ماں کی حیثیت سے ذمہ داریوں) کی سختیاں جھیلنے کو تیار ہے‘

لہٰذا ایسے معاشرے گھریلو زندگی سے باہر اپنے جذبات کی تسکین کا سامان کر لیتے ہیں‘ جیسے آج کے مغربی اور دیگر ترقی یافتہ معاشروں میں سیر وسیاحت‘ ٹورازم‘ ہوٹلنگ‘ سوئمنگ پول‘ ساحلِ سمندر کی سیر وغیرہ وغیرہ۔ اس کا ایک نتیجہ —— اور سب سے بڑا نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ ایسے معاشروں میں بچوں کی شرح پیدائش انتہائی گر جاتی ہے اور یوں ایسے معاشرے تہذیبی اعتبار سے ’فنا‘ کے گھاٹ اتر جاتے ہیں۔ چنانچہ اسی بات کی طرف اشارہ ہے سورۃ الطلاق کی اسی آیت میں جہاں عذابًا نُّکْرًا (انوکھا عذاب) کے الفاظ آتے ہیں۔ اس کے بعد مزید فرمایا: ﴿فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝﴾ ”سو انہوں نے اپنے کاموں کی سزا کا مزا چکھ لیا اور ان کا انجام (مکمل طور پر) خسارہ ہی تھا۔“

آبادیات اور نسل انسانی کی شرح نمو کے ماہرین بتاتے ہیں کہ کسی معاشرے اور تہذیب کے لیے بقا کی ضامن کم از کم شرح پیدائش ۲ء۲ فی خاندان ہے۔ اگر یہ شرح اس سے کم ہو جائے تو جلد یا بدیر وہ معاشرہ فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔ چنانچہ حیران کن بات یہ ہے کہ تمام یورپی ممالک اور امریکہ وکینیڈا کی شرح پیدائش ۲ء۲ سے کہیں کم ہے‘ جو کوشش کے باوجود واپس نہیں لائی جا سکتی ہے اور ایسی قوموں کا جلد فنا ہو جانا نوشتۂ دیوار ہے۔

اسی طرح سورۃ البقرہ میں نکاح وطلاق کے مسائل کے ضمن میں جہاں چھ مرتبہ ’حدود‘ کی اصطلاح آئی ہے وہاں سابقہ آیات میں ازدواجی زندگی کی ایسی باتوں کا تذکرہ ہے جو بالعموم بیان میں کم آتی ہیں مگر انسانی نفسیات اور مزاج کا حصہ ہیں۔ مثال کے طور پر ازدواجی تعلقات میں حیض (menses) کا خیال نہ رکھنا وغیرہ۔ اس بحث میں چھ مرتبہ ’حدود‘ کا لفظ آنا بتاتا ہے کہ اس شعبہ زندگی میں بہت کمزوریاں ہیں جہاں انسان ٹھوکریں کھاتا ہے۔ اسی لیے غالباً قرآن حکیم میں سورۃ المؤمنون اور سورۃ المعارج میں اہل ایمان کے اوصاف میں یہ بات بھی آتی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝﴾۔ یہ وہی حفاظت کا لفظ ہے جو یہاں سورۃ التوبہ کی زیر بحث آیت میں بھی استعمال ہوا ہے: ﴿اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ﴾۔ خاندانی اور ازدواجی زندگی کی تفصیلات پر بحث کرتے ہوئے یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ازدواجی زندگی کی خرابیاں سامنے آ بھی جائیں تو اکثر و بیشتر ان کا بیان ناپختہ ذہنوں اور نہ جاننے والوں کو راستہ دکھانے (educate) کے مترادف ہوتا ہے‘ اسی لیے ان تفصیلات سے عموماً احتراز ہی اچھی روش

سمجھا جاتا ہے۔

’حدود اللہ‘ کی ایسی تفصیلات کے لیے ایک طرف نہ ہمارے نطق کی یہ طاقت ہے نہ قلم میں مجال کہ ان کو بیان کر سکے۔ دوسری طرف ان کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے‘ اور مغربی دنیا چونکہ ان میں غرق ہے اور میڈیا کے ذریعے ہماری نوجوان نسل میں بھی یہ باتیں پھیل رہی ہیں‘ لہٰذا ان سے بچاؤ کی تدابیر بھی ضروری ہیں۔

معرکۂ روح وبدن یا دوقومی نظریہ

اخلاقی میدان میں نچلے درجے کے زوال تک پہنچے ہوئے ممالک میں امریکہ‘ کینیڈا اور یورپی ممالک تو شامل ہیں ہی‘ مشرقی اور ایشیائی ممالک میں بھارت بہت اہمیت رکھتا ہے‘ جہاں عریانیت اور بے حیائی ان کے مذہب کا حصّہ اور روایات کی جان ہے۔ ان کی مذہبی رسومات یعنی مختلف مندروں کی زیارات اور مذہبی اسفار انسان کے اندر سفلی جذبات کو ابھارنے اور ان کے استحصال کا ذریعہ ہیں‘ اور اس لحاظ سے بھارت مغربی اقوام سے بہت آگے ہے۔ عالمی سطح پر انسانیت کو ’خالص حیوان‘ بنانے کے ایجنڈے میں یورپ نے بھارت کو اپنا امام بنایا ہوا ہے۔ ہندومت میں ہمارے مقابلے میں پاکیزگی اور طہارت کا اُلٹا تصور ہے‘ جس سے بے حیائی کے فروغ میں مدد ملتی ہے۔ ہندومت میں مسلمان کو دیکھنے اور ہاتھ لگ جانے سے ہندو ناپاک ہو جاتا ہے جبکہ گائے کا پیشاب ان کے نزدیک دنیا کی متبرک ترین چیز ہے اور انسان کا اپنا پیشاب جمع کرنا اور پینا یہ صرف ہندومت کا طُرۂ امتیاز ہے۔ ماضی قریب میں (۱۹۸۰ء ۔ ۱۹۸۲ء میں) بھارت کے وزیراعظم مرار جی ڈیسائی برملا کہتے تھے کہ میں اپنا پیشاب جمع کرتا ہوں اور ۲۴ گھنٹے بعد دوبارہ پی جاتا ہوں۔ یہیں سے ہندومت اور اسلام کی راہیں جدا ہوتی ہیں اور ایک صدی قبل اسی بنا پر دوقومی نظریہ کو فروغ ہوا۔ اس لیے کہ آسمانی وحی کے زیر سایہ انسان‘ حقیقتِ انسان‘ انسانی بود و باش‘ طرزِ زندگی اور ازدواجی معاملات کا ایک خاص ڈھب (style) ہے اور اس سے انسانی تمدن میں حسب ونسب کی پاکیزگی برقرار رہتی ہے‘ جبکہ ہندومت اور مغربی فکر وفلسفہ میں انسان کو ایک حیوان سمجھ کر زندگی گزارنے اور معاشرت کے اُصول طے کیے جاتے ہیں۔ یہی چیز آسمانی وحی کے تحت زندگی گزارنے والے مسلمان معاشرے (اگرچہ آج کل مجموعی طور پر ایسے مسلمان کم ہیں) اور مغرب زدہ معاشروں میں واضح تفریق پیدا کرتی ہے۔ اور گزشتہ صدی میں وہ معرکہ جو

صرف جنوبی ایشیا کی سطح پر دو قومی نظریہ کی شکل میں سامنے آیا تھا آج وہی معرکہ حق و باطل یا معرکۂ روح و بدن یا معرکہ انسانیت وحیوانیت عالمی سطح پر نسلِ انسانی کو درپیش ہے۔

ان حالات اور پس منظر میں اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے شیدائیوں کے لیے ذاتی زندگیوں میں انقلاب کی جدّوجُہد کے دوران وہ کون سی 'حدود اللہ' ہیں جن سے اجتناب ناگزیر ہے' وہ واضح ہیں۔ تاہم اپنے مدعا کو زیادہ واضح کرنے کے لیے اہم باتوں کو ترتیب وار درج کر دینا فائدے سے خالی نہیں ہوگا —— اور وہ ترتیب وار تفصیل یہ ہے:

☆ انسان کے ازدواجی معاملات اور مرد و زن کے باہمی قریب آنے کے معاملات میں سے پہلا مرحلہ بچوں کی تربیت کے لیے گھر کا ماحول ہے' جہاں دیگر باتوں کے علاوہ 'معقول' اور 'ساتر' لباس (جس کا دین نے حکم دیا ہے) ضروری ہے' تاکہ بچے کو اس عمر میں بھی (غیر شعوری طور پر) 'سوچ کے عدمِ توازن' کے فتنہ سے بچایا جا سکے۔ واضح رہے کہ دورِ جدید میں مغربی مفکر سگمنڈ فرائڈ نے اس مسئلے کو جہاں تک پہنچا دیا ہے اُس کے لحاظ سے بھی یہ بات ضروری ہے۔ مغربی عورت کے لباس کا سٹائل ہی بچے کو سات سال کی عمر سے پہلے جنسی سوچ دے دیتا ہے جس سے معاشرتی اقدار تباہ ہو رہی ہیں۔

☆۱۸ سال کی عمر کے بعد ایک مسلمان کے لیے گھر' بازار' دفتر' پارک' بس' اسٹیشن' سکول' غرض جہاں بھی عورت و مرد کا اختلاط (interaction) ناگزیر طور پر ہوتا ہے وہاں ضمیر انسانی کے مطابق اور دینی تعلیمات کے تحت انسان کو اپنی نظروں کی حفاظت ضروری ہے اور فَاِنَّ لَکَ الْاُوْلٰی وَلَیْسَتْ لَکَ الْاٰخِرَۃُ (تمہارے لیے پہلی نظر قابلِ معافی اور دوسری نظر کی اجازت نہیں ہے) کا اہتمام سوچ کی پاکیزگی کو جنم دیتا ہے۔ اگرچہ دورِ حاضر میں اس کا اہتمام ہمت طلب ہے تاہم کسی دور میں بھی ناممکن نہیں ہے۔ اسی طرح جنسی اشتعال پیدا کرنے والی تمام تصاویر' فلمیں' سوشل میڈیا' الیکٹرانک میڈیا' اخبارات' کتابیں' میوزک' اجتماعات' دوستیاں' ملاقاتیں اسی ضمن میں آتی ہیں۔ ان کے بارے میں انسان واضح سوچ کے ساتھ آگے بڑھے۔ آسمانی ہدایت سے متعارف ہو کر ہی اجتناب کی راہیں سامنے آتی ہیں جب ضمیر انسانی جھنجھوڑتا ہے اور راستہ دکھاتا ہے اور دل سے دعائیں پاکیزگی کی منزل تک لے جاتی ہیں۔ زندگی کا یہ دور بھی 'حدود اللہ' کی حفاظت کا متقاضی ہے۔

☆ انسان کی بلوغت کی عمر کے بعد (عورت ہو یا مرد) 'حدود اللہ' کے ضمن میں سب سے ضروری 'حد' نکاح کا راستہ اختیار کرنا ہے۔ ہمارے آقا محمدٌ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ)) ''نکاح (کا راستہ) میری سُنّت (کا اہم حصہ) ہے''۔ گویا یہ بات از خود واضح ہے کہ نکاح کے علاوہ جو راستے بھی انسان اختیار کر سکتا ہے وہ سب کے سب 'سُنّتِ رسول ﷺ کی 'ضد' اور مخالفت اور 'حدود' سے تجاوز ہے۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں سیّدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا: ((فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ)) (متفق علیہ۔ عن انس ؓ) ''جس نے میری سُنّت سے اعراض کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں''۔ اور کلامِ الٰہی میں اس کا تذکرہ دو مرتبہ ان الفاظ میں آیا ہے:

﴿فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ ۝﴾

(المؤمنون:۷' المعارج:۳۱)

''اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی حد سے) نکل جانے والے ہیں۔''

یعنی نکاح کے علاوہ مرد اور عورت کا ازدواج وحی اور منشائے الٰہی کے خلاف ہے اور 'حُدُوْدُ اللّٰہِ' سے تجاوز بھی ہے' ایک بندۂ مومن کو جنّت کے حصول کے لیے جس کی 'حفاظت' کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ واضح رہے کہ کلامِ الٰہی میں اپنی اصطلاحات کے مفہوم کی حفاظت کے لیے خود قرائن بیان کر دیے گئے ہیں۔ جیسے 'حدود اللہ' کے ضمن میں 'وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ'' کے الفاظ کی وضاحت کے لیے دوبارہ بندۂ مومن کے اوصاف کے تذکرہ میں یہ الفاظ آتے ہیں: ﴿وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ﴾ یعنی 'حدود' کا تعلق اہل ایمان کی نجی زندگی کے بشری پہلو سے جوڑ دیا گیا۔ حفاظت اور 'حافظ' کی تشریح کے لیے ''حافظون'' کا لفظ قرآن مجید کی حفاظت کے ضمن میں بھی وارد ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹﴾ (الحجر)

''بے شک یہ کتاب نصیحت ہم نے ہی نازل کی ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔''

اور ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید کو اتار کر اس کی حفاظت کے ضمن میں کیا کیا اسباب پیدا کر دیے ہیں۔ اسی طرح ہمیں بھی 'حُدُوْدُ اللّٰہِ' کی حفاظت کے لیے مختلف

احتیاطی تدابیر اختیار کرنا ہوں گی‘ جس کی رہنمائی قرآن پاک میں یوں ہے کہ کہیں ’حدود اللہ‘ کا تذکرہ کر کے فرمایا: فَلَا تَعۡتَدُوۡهَا (ان سے باہر نہ نکلو) اور کہیں فرمایا: فَلَا تَقۡرَبُوۡهَا (ان کے قریب نہ جاؤ) گویا حفاظت کے ضمن میں ہمیں یقینی بچاؤ کے لیے موقع بہ موقع اور case to case مناسب حفاظتی تدابیر کرتے رہنا ہوگا۔

☆ سُنّتِ رسول ﷺ سے اعراض کر کے ’رَغِبَ عَنۡ‘ کے تحت انسان کہاں کہاں ٹھوکریں کھاتا ہے اس کا احصاء کسی ایک انسان کے لیے شاید ممکن نہیں اور بالفرض ممکن ہو تو بیان سے باہر ہے (اور بیان کر دیا جائے تو اس سے بے حیائی کو فروغ ملتا ہے کہ ناپختہ ذہنوں کے لیے نئی بات ہوتی ہے اور لوگ اس کو اختیار کر لیتے ہیں)۔ تاہم اس کے کچھ مراحل یا صورتیں ہیں جو سامنے رہنی چاہئیں:

(ا) ☆ انسان تنہائی میں ہے (آج کل آسودہ حال گھروں میں بچوں کے علیحدہ کمرے ہیں) یا کبھی تنہائی میسر ہے تو بھی بندہ مؤمن آزاد نہیں ہے کہ جو چاہے کرے۔ یہاں بھی بہت ساری پابندیاں ہیں حتیٰ کہ انسان باتھ روم یا واش روم میں بھی آزاد نہیں ہوتا کہ جو چاہے کرے‘ وہاں بھی کچھ اخلاقی اور فطری ’حدود‘ کا تصور ذہن میں رکھنا لازم ہے۔ اس میں بھی بہت افراط وتفریط کے امکانات ہیں۔

☆ انسان کی تنہائی کے لمحات اس کی شخصیت و کردار کا حقیقی آئینہ ہوتے ہیں۔ آدمی لوگوں کے سامنے ریاکارانہ طور پر مصنوعی رکھ رکھاؤ (acting) کر سکتا ہے مگر اس کی تنہائی کے لمحات اس کا حقیقی روپ ہوتے ہیں۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ انسان تنہائی کے لمحات میں یا فرشتہ سے بہتر ہوتا ہے یا شیطان سے بدتر۔ لہٰذا ان تنہائی کے لمحات کی نگرانی ضروری ہے اور حدود اللہ کی سچی پاسداری۔ چنانچہ حافظ شیرازی کے یہ اشعار کئی مذہبی لوگوں کی نجی زندگی کا عکس بن جاتے ہیں: ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بخلوت می روند آں کارِ دیگر می کنند

اللہ تعالیٰ ہمارے باطن کو بھی صالح بنادے اور ظاہر کو بھی۔ مسنون دعا ہے:

((اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡ سَرِیۡرَتِیۡ خَیۡرًا مِنۡ عَلَانِیَتِیۡ وَاجۡعَلۡ عَلَانِیَتِیۡ صَالِحَۃً)) (ترمذی)

’’اے اللہ! میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنادے اور میرے ظاہر کو نیک بنادے۔‘‘

☆ یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ انسان کی شخصی اور خالص نجی سطح کی زندگی میں ان ’حدود اللہ‘ کی خلاف ورزی کے سنگین ہونے یا نہ ہونے کی ایک حدِ فاصل ہے۔ اکیلے انسان کی تنہائی کی ’لغزشیں‘ اور ’من مانیاں‘ بھی بعض اوقات مباحات کی حدود سے نکل جاتی ہیں۔ تاہم جہاں دو یا دو سے زیادہ انسان جمع ہو کر کوئی بے حیائی یا فواحش میں ملوث ہونے لگیں‘ چاہے مرد ہوں یا عورتیں یا عورتیں مرد جمع ہوں‘ ان کے افعال و اعمال برائی کے کبیرہ درجے کو پہنچ جاتے ہیں اور سخت قابلِ مذمت ہیں۔

(ب) دو مرد یا دو عورتیں ایک کمرے میں ہوں تو ان کے بارے میں بھی ’حُدُودُ اللہ‘ ہیں اور وہ باہمی مشورے اور رضامندی سے جو چاہیں کر لیں اس میں آزاد نہیں ہیں‘ یہ ’حُدُودُ اللہ‘ کی خلاف ورزی ہے۔ (گو مغرب نے اس بات کی آزادی دے دی ہے اور ترقی یافتہ ممالک میں دو مردوں اور دو عورتوں کی شادی جائز اور legal ہے‘ جبکہ ایک بندۂ مؤمن کے نقطہ نظر سے یہ حد درجہ کی اخلاقی گراوٹ اور بے حیائی ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے واضح طور پر منع فرمایا ہے۔)

مغربی تہذیب کے پیچھے چونکہ ایک مافیا ہے جو اپنے مذموم مقاصد کے لیے ایک نئی سیکولر عالمی سوچ کو جنم دے کر آگے بڑھا رہا ہے‘ سارے مغربی ممالک اور ان کے حکمران‘ تاجر‘ ملٹی نیشنلز اس مافیا کے آلہ کار ہیں‘ لہٰذا یہ ابلیسی اور حیوانی مہم جوئی آگے بڑھ رہی ہے اور یہ لعنت ہمارے مسلمان معاشرے میں بھی سرایت کر چکی ہے۔ اس لعنت سے بچاؤ کی تدابیر ضروری ہیں۔ ہمارے معاشرے میں بھی پیروں کا (غیر محرم) مرید عورتوں سے جسم دبوانا تو غیر شرعی ہے ہی‘ مرد مریدوں سے بھی جسم‘ ٹانگیں اور پاؤں دبوانا اسی قبیل کی شے ہے اور نو عمر مریدوں سے یہ خدمت لینا تو اور زیادہ خطرناک ہے اور حصولِ لذّت کے ضمن میں آتا ہے۔ (محرم رشتوں میں ایک دوسرے کو دبانا بعض مخصوص صورتوں میں اس سے مستثنیٰ ہے۔)

(ج) نکاح کی صورت میں بھی شوہر (مرد) اور بیوی (عورت) کے تنہائی کے لمحات میں ’سب جائز‘ نہیں ہے‘ یہاں بھی فطرتِ انسانی میں ودیعت کردہ ’بعض حدود‘ ہیں جن کا پاس کرنا حفاظت حدود اللہ کا حصّہ ہے۔ یہ حدود کیا ہیں اور ان کی تفصیل کیا ہے؟ اس کا تذکرہ نہ ضروری ہے اور نہ

فائدہ مند۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر ’زندہ ضمیر‘ کی قوت رکھ دی ہے جو خود انسان کو خبر دار کرتی رہتی ہے اور انسان چاہے تو اس کی رہنمائی ہو سکتی ہے۔ ہمارے آقا محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ (اپنے دل سے فتویٰ پوچھ لے!) اور دَعْ مَا یَرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یَرِیْبُکَ (جو چیز دل میں کھٹکے اسے چھوڑ دے......!) وغیرھما۔

(پنجاب کے معروف روحانی پیشوا اور پیر جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے عالمی شہرت رکھتے ہیں انہوں نے کچھ عرصہ قبل ’حیاء اور پاکدامنی‘ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں مغربی دنیا کی ازدواجی زندگی میں حدود اللہ سے تجاوز کی کافی تفصیل لکھ دی ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ آنجناب نے یہ تفصیلات کس کیفیت میں لکھی ہیں، تاہم قارئین میں سے جو حضرات اس تفصیل میں جانا چاہیں وہ اس کتاب کے متعلقہ حصے کا مطالعہ کر لیں۔)

(د) سورۃ البقرۃ میں جہاں چھ مرتبہ حدود کی اصطلاح آئی ہے اور ساتھ ہی طلاق کے احکام ہیں، اس سے ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ نکاح کے پردہ میں ہر فعل جائز نہیں ہے اور اگر ’حدود‘ کی خلاف ورزی ہو رہی ہو تو طلاق کی اجازت سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں بھی مرد طلاق دے سکتا ہے یا عورت طلاق لے سکتی ہے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ انسانی فطرت وسرشت کی روشنی میں اور قرآن پاک میں چھ مرتبہ ’حُدُوْدُ اللّٰہِ‘ کی اصطلاح ایک جگہ آنے میں یہ بات واضح ہے کہ ایسی خلاف ورزیاں ہوتی ہیں، اور معاشرہ زوال پذیر ہو اور باطل کا فروغ ہو، بے عملی اور دین سے دوری ہو تو یہ خلاف ورزیاں مزید بڑھ جائیں گی۔

دوسری طرف یہ بات بھی اپنی جگہ —— کہ ان خلاف ورزیوں کا زیادہ تر حصہ پوشیدہ رہتا ہے اور انسان کا ضمیر ہی اس کو متوجہ کر سکتا ہے۔ گویا عام طور پر یہ خلاف ورزیاں کسی تعزیر اور سزا کی گرفت میں نہیں آتیں۔ مزید برآں یہ بات کئی گنا اہمیت اس وجہ سے اختیار کر جاتی ہے کہ ایک حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ تین اوقات میں (یا موقعوں پر) کراماً کاتبین ہٹا لیے جاتے ہیں، جن میں ایک موقع وہ ہے جب میاں بیوی تنہائی کے لمحات میں ہوتے ہیں (یا دو انسان (مرد یا عورتیں) کسی برائی اور بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہیں۔)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان کوتاہیوں اور خلاف ورزیوں کی سزا کہاں اور کیسے ملتی ہے؟

یہ سوال بڑا دلچسپ سوال ہے، یہاں اس کا موقع نہیں ہے، عنقریب کسی موقع پر اس کا جواب سامنے لائیں گے۔ ان شاء اللہ

دنیا کے تمام معاشرے تغیر پذیر رہتے ہیں اور فرسودہ نظام کی جگہ نئی سوچ اور افکار جنم لیتے ہیں اور بالآخر غالب آتے رہتے ہیں۔ اسلام کے علاوہ تمام نظریات اور افکار کی نوعیت بالعموم ایک جیسی ہے اور ابلیسی فکر کے ساتھ خالقِ ارض وسماء کے احکام کی خلاف ورزی، آخرت اور وحی کا انکار اور نتیجے کے طور پر من مانی اور خود ساختہ انسانی قانون وغیرہ (man made law) کے تحت زندگی گزارنا ہے۔ ایسے انقلابات کے لیے انسان کا ذاتی سطح پر، ہمارے نقطہ نظر سے، عیاش، بے حیا، شرابی و کبابی ہونا ایک مثبت (value) شمار ہوتی ہے —— جبکہ نظامِ خلافت کے قیام کے لیے مصروفِ کار شیدائیوں اور فدائیوں کے لیے اجتماعی زندگی میں بھی امانت و دیانت کا سبق ہے۔ ؎

سبق پھر پڑھ صداقت کا، امانت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا!

اور نجی زندگیوں میں بھی حیاء، پاکدامنی اور پاکیزگی کے ساتھ خالص انسانی سطح پر بھی ’حُدُوْدُ اللّٰہِ‘ کے قیام اور اُن کا لحاظ کرنے کا تقاضا ہے۔ یہ بات ماضی میں پہلے ادوار میں بھی بہت اہم تھی، تاہم دورِ حاضر (جو فتنہ دجال کا دور ہے) میں جہاں حیوانیت اور بے حیائی پھیل چکی ہے اس کے تناظر میں شرفِ انسانیت کا تحفظ اسی میں ہے کہ انسان خالص گھریلو زندگی میں اور ازدواجی زندگی میں بھی ’حُدُوْدُ اللّٰہِ‘ کا ازحد لحاظ کرنے والا ہو۔

خلاصہ کلام کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آج کا مغربی اور ترقی یافتہ معاشرہ خالصتاً حیوانی معاشرہ بن چکا ہے جو صرف بطن اور فرج کے تقاضوں کو ہی اصل زندگی سمجھ رہا ہے، جب کہ انسان صرف بدن اور پیٹ کا نام نہیں، بلکہ اسی میں ایک خودی اور روح بھی ہے۔ بقول اقبال ؏

نقطۂ نوری کہ نامِ اُو خودیست!

یا ؎

ہے نورِ تجلّی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے!

(باقی صفحہ 68 پر)

سلسلہ وار دروسِ قرآن (۲۳)

حقیقتِ نفاق

اور جہاد سے اعراض کی سزا: نفاق

شجاع الدین شیخ ☆

آج کا درس دو حصوں پر مشتمل ہے' پہلا حصّہ ''حقیقتِ نفاق'' سے متعلق ہے اور دوسرے حصّہ میں ہم سورۃ المنافقون کی روشنی میں ''جہاد سے اعراض کی سزا: نفاق'' کے موضوع پر گفتگو کریں گے —— سب سے پہلے موضوع کی اہمیت کو چند آیاتِ قرآنی کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پہلا نکتہ منافقین کی شفاعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے محرومی ہے۔ سورۃ المنافقون میں ذکر آیا:
﴿سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ لَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ؕ﴾ (آیت ۶) ''(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!) ان کے حق میں برابر ہے کہ آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں' اللہ ہرگز انہیں معاف نہیں فرمائے گا''۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نفاق کے مرض سے محفوظ فرمائے۔

دوسری بات یہ کہ روزِ قیامت منافقین کا حشر کُفّار کے ساتھ ہوگا۔ چنانچہ سورۃ النساء میں ارشاد ہوا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡكٰفِرِيۡنَ فِىۡ جَهَنَّمَ جَمِيۡعَاۙ ۱۴۰﴾ ''بیشک اللہ منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں اکٹھا کرنے والا ہے سب کے سب''۔ گویا دنیا میں تو منافقین کو مسلمان مانا گیا' لیکن محشر میں کُفّار اور منافقین کا انجام ایک ساتھ ہوگا۔

سورۃ الحدید میں منافقین کی پل صراط پر نور سے محرومی کا ذکر بڑی تفصیل سے آیا ہے:

﴿يَوۡمَ يَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوا انۡظُرُوۡنَا نَقۡتَبِسۡ مِنۡ نُّوۡرِكُمۡ ۚ قِيۡلَ ارۡجِعُوۡا وَرَآءَكُمۡ فَالۡتَمِسُوۡا نُوۡرًا ؕ

☆ معاون برائے مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت' تنظیم اسلامی

فَضُرِبَ بَيۡنَهُمۡ بِسُوۡرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيۡهِ الرَّحۡمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنۡ قِبَلِهِ الۡعَذَابُ ۱۳﴾

''جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے کہ ہم پر نظر (شفقت) کرو کہ ہم تمہارے نور میں سے کچھ لے لیں۔ کہا جائے گا کہ اپنے پیچھے (دنیا میں) لوٹ جاؤ اور نور تلاش کرو۔ پھر ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس کے اندرونی جانب رحمت ہوگی اور بیرونی جانب عذاب ہوگا۔''

پل صراط پر گھٹا ٹوپ تاریکی ہوگی اور جس نے دنیا میں ایمان اور نیک اعمال کا نور حاصل کیا ہوگا اسی کو وہاں پر یہ نور اور روشنی نظر آئے گی اور منافقین اس روشنی کو ترس رہے ہوں گے۔

سورۃ النساء میں منافقین کے بدترین انجام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ فِى الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لَهُمۡ نَصِيۡرًا ۱۴۵﴾ ''بیشک منافقین جہنّم کے نچلے ترین طبقے میں ہوں گے' اور تم ان کے لیے کوئی مددگار نہ پاؤ گے''۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو منافقت سے پوری طرح محفوظ فرمائے۔ آمین!

نفاق کے حوالے سے ایک بڑا مغالطہ

ایک اور اہم نکتہ لائقِ توجہ ہے کہ ایک بہت بڑا مغالطہ ہے کہ منافقین صرف دورِ نبویؐ میں تھے اور آج ان کا وجود نہیں ہے۔ آج جب ہم قرآنِ کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو کبھی ایسا بھی محسوس ہوتا ہے کہ ہم قرآن کی تاثیر سے اس لیے محروم ہیں کہ ہم قرآن کریم کو شاید اپنے لیے کم محسوس کرتے ہیں۔ جب مشرکین کا بیان آتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ تو مشرکین کے بارے میں ہے' جبکہ ہم تو مسلمان ہیں اور جب اہلِ کتاب کا بیان آتا ہے تو ہم کہتے ہیں یہ تو ان کے بارے میں ہے جبکہ ہم مسلمان ہیں۔ حالانکہ ان طبقات کا بیان اس لیے کیا جاتا ہے کہ ہم اس سے عبرت پکڑیں۔ نفاق اور منافقین کا بیان بھی اسی لیے کیا گیا ہے کہ ہم نفاق سے پناہ مانگتے رہیں اور اس سے بچتے رہیں۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے بارے میں نفاق کا خوف رکھتے تھے۔ وہ صحابہ کرامؓ جن کے ایمان کی گواہی خود قرآن دیتا ہے' جن کے بارے میں جنت کی بشارت قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دی ہے' ان کی یہ کیفیت تھی کہ وہ اپنے بارے میں نفاق کا

خوف رکھتے تھے۔ بخاری شریف میں موجود ایک اور روایت میں (ایک تابعی) ابن ابی ملیکہ ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے تیس صحابہ ؓ سے ملاقاتیں کیں جو سب کے سب اپنے بارے میں نفاق کا خوف رکھتے تھے۔

طبرانی کی روایت ہے کہ مؤمن نفاق سے خوفزدہ رہتا ہے اور منافق اپنے آپ کو اس سے محفوظ سمجھتا ہے۔ مؤمن کو تو خطرہ اس لیے ہوتا ہے کہ اسے ایمان کی دولت سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے اور وہ اس کے لٹ جانے کا خوف رکھتا ہے اور منافق بے خوف ہوتا ہے۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے کہا کہ میں اندیشہ رکھتا ہوں کہ میں منافق ہو گیا ہوں‘ تو انہوں نے فرمایا کہ اگر تم منافق ہوتے تو ایسا اندیشہ نہ رکھتے۔ یہ بھی طبرانی ہی کی روایت ہے۔

حضرت حنظلہ ؓ کا تذکرہ مسلم شریف میں آیا ہے جو یہ کہتے ہوئے جا رہے تھے کہ حنظلہ منافق ہو گیا! حضرت صدیق اکبر ؓ نے سنا تو پوچھا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ جب میں محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں ہوتا ہوں تو گویا جنّت اور جہنّم میرے سامنے ہوتے ہیں اور جب آپ ﷺ کی مجلس سے اُٹھ کر جاتا ہوں تو دل کی وہ کیفیت برقرار نہیں رہتی۔ یہ نفاق ہی تو ہے! حضرت صدیق اکبر ؓ نے فرمایا کہ یہ کیفیت تو کبھی مجھے بھی محسوس ہوتی ہے۔ چلو حضور ﷺ کے پاس چلتے ہیں۔ گویا وہ اپنے ایمان کی کیفیات کے بارے میں آپ ﷺ سے دریافت کرنا چاہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی بات سن کر فرمایا: ((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ إِنْ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلٰى مَا تَكُوْنُوْنَ عِنْدِي وَفِي الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلٰى فُرُشِكُمْ وَفِي طُرُقِكُمْ وَلٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً)) (رواه مسلم) ’’اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے‘ اگر تم اسی کیفیت پر ہمیشہ رہو جس حالت میں میرے پاس ہوتے ہو اور ذکر میں مشغول ہوتے ہو تو فرشتے تمہارے بستروں پر تم سے مصافحہ کریں اور راستوں میں بھی‘ لیکن اے حنظلہ! ایک ساعت (یاد کی) ہوتی ہے اور دوسری (غفلت کی)‘‘۔ یعنی کیفیات بدلتی رہتی ہیں‘ مگر اہم بات یہ ہے کہ حضرت حنظلہ ؓ اور حضرت صدیق اکبر ؓ کو نفاق کے مرض کے حوالے سے پریشانی لاحق تھی۔

نفاق سے بچنے کی مسنون دعا

نفاق سے بچنے کے لیے حضور اکرم ﷺ نے ہمیں ایک دعا بھی سکھائی ہے اور نبی

اکرم ﷺ اور آپؐ کے صحابہ ؓ اس دعا کو بکثرت پڑھا کرتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِیْ مِنَ الرِّیَاءِ وَلِسَانِیْ مِنَ الْکَذِبِ وَعَیْنِیْ مِنَ الْخِیَانَۃِ‘ فَاِنَّکَ تَعْلَمُ خَآئِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرِ))

(رواہ البیھقی)

’’اے اللہ! پاک کر دے میرے دل کو نفاق سے اور میرے عمل کو ریا سے اور میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے۔ بیشک تو خوب واقف ہے آنکھوں کی خیانت کرنے والوں سے اور جو کچھ سینے چھپائے رکھتے ہیں۔‘‘

غور فرمائیں کہ ایمان کا سرچشمہ اور منبع (source) رسالت مآب ﷺ نفاق سے بچنے کی دعا فرما رہے ہیں اور ہمیں یہ مغالطہ ہے کہ ہمیں تو کوئی پریشانی نہیں‘ ہم تو صاحب ایمان ہیں۔ ایمان کے حوالے سے انبیاء کرام ؑ کے بعد سب سے بڑی جماعت صحابہ کرام ؓ کو تو خوف ہو اور ہم مطمئن ہو کر بیٹھے رہیں اور نفاق کے حوالے سے ہمیں کوئی اندیشہ نہ ہو‘ تو ہمیں خود فیصلہ کر لینا چاہیے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔ اس مغالطے کو رفع کرنا بہت ضروری ہے۔

نفاق کا مفہوم

اب ہم نفاق کے مفہوم کو قرآن وسُنّت سے جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ نفاق کے لغوی معنی ہے: دوغلا ہونا۔ نفق عربی میں سرنگ کو کہتے ہیں‘ اس لیے کہ سرنگ کے دو منہ ہوا کرتے ہیں۔ لفظ ’’نافقہ‘‘ گوہ کے لیے استعمال ہوتا ہے‘ اس لیے کہ وہ اس طرح کا بل بناتا ہے جس کے دو منہ ہوتے ہیں‘ تاکہ اگر کوئی شکاری جانور ایک طرف سے حملہ کرے تو وہ دوسری طرف سے نکل جائے۔ چنانچہ منافق کا معنی ہوا: ایسا شخص جو دو منہ والا ہو۔ جب کسی معاشرے میں کوئی انقلابی تحریک زور پکڑے تو یہ درمیانی طبقہ بھی سامنے آئے گا جو مقابلے کے دونوں فریقوں سے اظہارِ وفاداری کرے‘ تاکہ فریقین میں سے کسی کو غلبہ حاصل ہو جائے تو ان کے مفادات محفوظ رہیں۔

قرآن وحدیث میں اصطلاحی طور پر نفاق کو ایک مرض اور بیماری قرار دیا گیا ہے۔ حدیثِ نبوی ﷺ میں اسی مرض کو وہن کہا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب یہ وہن اُمّت میں پیدا ہو گیا تو باقی اقوام اس اُمّت پر نہ صرف حملہ آور ہوں گی بلکہ ایک دوسرے کو ان پر حملہ کرنے کی دعوت دیں گی جیسے دسترخوان پر کھانا چُن دیے جانے کے بعد میزبان مہمانوں کو کھانے

کے لیے آواز لگاتا ہے اور مہمان کھانے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ پوچھا گیا کہ ایسا کیوں ہو گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں وہن کی بیماری پیدا ہو جائے گی۔ پوچھا گیا: وہن کیا ہے؟ فرمایا: ((حُبُّ الدُّنْیَا وَکَرَاھِیَۃُ الْمَوْتِ)) (سنن ابی داؤد) ’’دنیا سے محبت اور موت سے نفرت!‘‘

نفاق کب پیدا ہوتا ہے؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مرضِ نفاق کب پیدا ہوتا ہے؟ جس معاشرے میں کوئی انقلابی تحریک زور پکڑ جائے اور جس کے لیے مال و جان کی قربانی کا تقاضا واضح ہو جائے تو اس صورتِ حال میں تین گروہ لازماً وجود میں آ جاتے ہیں۔ پہلا گروہ مال و جان کے ساتھ تحریک کا ساتھ دینے والے‘ دوسرا گروہ ڈٹ کر تحریک کی مخالفت کرنے والے‘ اور تیسرا گروہ جو نہ اِدھر کے اور نہ اُدھر کے یعنی منافقین۔ نبی اکرم ﷺ نے جو انقلاب برپا فرمایا اس میں ایک طرف آپ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ تھے‘ دوسری طرف کفّار و مشرکین تھے اور درمیان میں منافقین تھے۔ قرآن حکیم میں سورۃ البقرہ کے پہلے دو رکوع میں اللہ تعالیٰ نے ان تینوں گروہوں کی تفصیل بیان کر دی ہے اور وہاں متقین‘ کفّار و مشرکین اور منافقین کا بیان آیا ہے۔ انقلابی جِدّوجُہد کے لیے تاریخِ انسانی میں واحد اور جامع ترین مثال نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کی ہے۔

نفاق کی اقسام

اب ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ مرضِ نفاق کی کتنی قسمیں ہیں۔ پہلی قسم شعوری یا اعتقادی نفاق ہے کہ کوئی شخص سازش کے تحت ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر کے اسلام کا لبادہ اوڑھ لے۔ سورۂ آلِ عمران میں ایسے لوگوں کی نشاندہی کی گئی ہے فرمایا:

﴿وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ﴾

’’اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ (یہود) نے کہا کہ ایمان والوں پر جو کچھ نازل ہوا ہے اس پر دن کے ابتدائی حصے میں ایمان لے آؤ اور دن کے آخری حصے میں اس کا انکار کر دو تاکہ وہ (مسلمان اپنے دین سے) لوٹ آئیں۔ اور جو تمہارے دین کی پیروی کرے اس کے سوا کسی کی بات نہ مانو۔‘‘

نفاق کی دوسری قسم غیر شعوری اور عملی نفاق ہے۔ یہ نفاق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ایک شخص پورے اخلاص کے ساتھ اسلام قبول کرے‘ لیکن جب دین پر عمل‘ اس کی تبلیغ اور اس کے غلبے کی جدّوجُہد کے لیے مال و جان کی قربانی کے تقاضے سامنے آئیں تو وہ پسپائی اختیار کر لے۔ غیر شعوری اور عملی نفاق ہم سب کے لیے خطرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ سورۃ النساء میں ارشاد ہوا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ﴿١٣٧﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمَا ﴿١٣٨﴾﴾

’’بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے‘ پھر انہوں نے کفر کیا‘ پھر ایمان لائے‘ پھر انہوں نے کفر کیا‘ پھر وہ کفر میں بڑھتے چلے گئے‘ اللہ ان کو معاف نہیں فرمائے گا اور نہ انہیں (سیدھے) راستے کی ہدایت دے گا۔ (اے نبی ﷺ!) منافقین کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجیے۔‘‘

اس آیت سے یہ بھی پتا چلا کہ منافق مسلمانوں میں سے ہی ہوتا ہے۔ عمل کرتا ہے‘ پھر پیچھے ہٹتا ہے‘ پھر عمل کرتا ہے اور پھر پیچھے ہٹتا ہے۔ دین پر عمل‘ اس کی تبلیغ اور اس کے غلبے کی جدّوجُہد سے پیچھے ہٹتے چلے جانا‘ اس کو نفاق کے راستے پر ڈال دیتا ہے۔

نفاق پیدا ہونے کی وجوہات

اب ہم دیکھتے ہیں کہ کن وجوہات کی بنا پر نفاق کا مرض پیدا ہوتا ہے۔ پہلی وجہ جان‘ مال اور اولاد کی محبّت ہے۔ یہ محبّت فطری ہے‘ لیکن اگر اس کی وجہ سے انسان اللہ کے ذکر اور اس کے مقرر کردہ فرائض سے غافل ہو جائے تو اسی سے نفاق کی بیماری کا آغاز ہوتا ہے۔ سورۃ المنافقون میں ارشاد ہوا: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٩﴾﴾ ’’اے ایمان والو! تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں‘ اور جو لوگ ایسا کریں گے پس وہی خسارہ پانے والے ہیں‘‘۔ انہی کی محبّت میں ڈوب کر انسان حلال و حرام کی تمیز چھوڑ دیتا ہے۔

اسی طرح کھیل‘ تماشے‘ ڈرامے‘ فلمیں‘ ناچ گانے اور موسیقی وغیرہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے

احکامات سے غفلت کی وجہ بنتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ)) (رواہ البیھقی) ’’موسیقی اور کھیل تماشے دل میں اسی طرح نفاق پیدا کرتے ہیں جس طرح پانی گھاس پیدا کرتا ہے‘‘۔ آج کا دور تو میڈیا کا دور کہلاتا ہے اور آپ کے علم میں ہے کہ کرکٹ کا میچ بنگلہ دیش میں ہو یا دوبئی میں‘ پوری دنیا کو اس میں ملوث کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور سارا میڈیا کرکٹ کے چوکوں اور چھکوں کے ساتھ بے حیائی‘ فحاشی اور عریانی دکھانے پر لگا ہوتا ہے۔ کروڑوں کے سٹے اور جوئے لگتے ہیں۔ ہر چوکے چھکے پر عورتوں کو ناچنے اور دکھانے کے لیے میڈیا کے پاس وقت ہے‘ لیکن ممتاز قادری کے جنازے کو دکھانے سے ان کو منع کر دیا جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ کرکٹ میچ دیکھنے میں کیا بُرائی ہے؟ کرکٹ دیکھنا اور شے ہے‘ لیکن اس کے ساتھ دس گندگیوں کو دیکھنا دوسری شے ہے۔ اللہ کے عائد کردہ فرائض کو پس پشت ڈال دینا‘ بندوں کے حقوق کو پامال کرنا‘ ان باتوں پر بھی تو غور فرمایا جائے۔ یہ کھیل‘ تماشے‘ موسیقی رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق دل میں اسی طرح نفاق پیدا کرتے ہیں جیسے پانی اندر ہی اندر کام کرتا ہے اور گھاس اُگنا شروع ہو جاتی ہے۔ یہ سارے کھیل تماشے‘ ناچ گانے‘ عریانی و فحاشی دل میں اندر ہی اندر کام کر کے نفاق کے مرض کی آبیاری کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں گندے کاموں کی فصل تو اُگ سکتی ہے‘ نیک اعمال کی فصل نہیں اُگ سکتی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدہ خلافی کے سبب بطورِ سزا مرضِ نفاق دلوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ سورۃ التوبہ میں ارشاد ہوا:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿٧٧﴾﴾

’’اور ان میں سے وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل میں سے عطا فرمائے تو ہم ضرور صدقہ و خیرات کریں گے اور نیکوکاروں میں سے ہو جائیں گے۔ پھر جب اللہ نے انہیں اپنے فضل میں سے عطا فرمایا تو انہوں نے اس

میں بخل کیا اور اعراض کرتے ہوئے منہ پھیر لیا۔ پس اللہ نے سزا کے طور پر ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا اس دن تک جب وہ اللہ کے حضور حاضر ہوں گے بسبب اس کے کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اسے توڑ ڈالا اور بسبب اس کے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔‘‘

یہاں منافقینِ مدینہ کا ذکر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ کو ہجرت کے بعد انہوں نے اس طرح کے بڑے وعدے کیے تھے لیکن بعد میں اپنے وعدوں سے پھر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا۔

ہم نے بھی تحریک پاکستان کے دوران نعرے لگائے تھے: ’’پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الا اللہ!‘‘ ہمارے بزرگوں نے بیس لاکھ جانوں کی قربانی دی اور پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ ملک معجزانہ طور پر عطا فرمایا۔ لیکن ہمارے ملک کے سابق وزیر اعظم نے عزم ظاہر کیا تھا کہ ہم پاکستان کو ایک لبرل ریاست بنائیں گے۔ آج ہمارے حکمران ہمارے شہداء کے ساتھ اتنی بڑی غداری کر رہے ہیں۔ اسلام کے نام پر حاصل ہونے والے ملک میں اسلام کی دھجیاں بکھیری جا رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قومی سطح پر ہم نفاق کے مرض میں مبتلا کر دیے گئے ہیں۔ نفاق کی چاروں علامات جھوٹ‘ وعدہ خلافی‘ خیانت اور گالم گلوچ ہم میں سرایت کر گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے اور ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی جدّوجُہد کی توفیق عطا فرمائے تاکہ اللہ تعالیٰ سے وعدہ خلافی کے نتیجے میں ہم جو منافقت کے مرض میں مبتلا ہو چکے ہیں‘ اس سے ہمیں نجات ملے۔

نفاق سے بچنے کی صورتیں

مرض سے نجات کے لیے پرہیز بھی تو لازم ہوتا ہے۔ آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ نفاق سے کس طرح بچا جائے — نفاق سے بچنے کے لیے حفاظتی تدابیر میں سب سے پہلے دوامِ ذکر ضروری ہے۔ سورۃ الاحزاب میں ارشاد ہوا: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ﴿٤١﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ﴿٤٢﴾﴾ ’’اے ایمان والو! کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرو‘‘۔ سب سے افضل ذکر قرآن حکیم ہے جس سے نہ صرف اللہ ربّ العزت کی بلکہ اس کے احکامات کی بھی یاد دہانی ہوتی ہے۔ قرآن حکیم اپنے آپ کو الذکر‘ ذکریٰ اور تذکرہ

کہتا ہے۔ان سارے الفاظ کے معانی یاددہانی کے ہیں۔سیدنا علی ؓ فرماتے ہیں کہ جب میں اللہ سے کلام کرنا چاہتا ہوں تو نماز پڑھتا ہوں اور جب میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے کلام فرمائے تو میں قرآن کی تلاوت کرتا ہوں۔نماز ذکر کا جامع ذریعہ ہے۔اس میں قولی اور بدنی ذکر بھی ہے اور تلاوتِ قرآن حکیم‘ تسبیح‘ تحمید‘ تکبیر‘ تہلیل‘ درود اور دعائیں بھی شامل ہوجاتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيرَةَ الْأُولٰى كُتِبَتْ لَهُ بَرَائَتَانِ : بَرَائَةٌ مِنَ النَّارِ وَبَرَائَةٌ مِنَ النِّفَاقِ)) (رواہ الترمذی) ’’جس شخص نے چالیس دن تک تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے باجماعت نماز پڑھی تو اس کی دو چیزوں سے نجات لکھ دی جاتی ہے‘ یعنی جہنّم اور نفاق سے نجات‘‘۔خواتین کے لیے باجماعت نماز کی پابندی نہیں ہے‘ لہٰذا اللہ ربّ العزت کی ذات سے اُمید ہے کہ یہ اجر وثواب باقاعدہ وقت پر نماز ادا کرنے والی خواتین کو بھی اللہ تعالیٰ عطا فرمادے گا۔ان شاء اللہ!

نفاق کی علامات

ڈاکٹر حضرات مرض کی علامات دیکھ کر اس کی تشخیص کرتے ہیں‘ اسی طرح نفاق کی علامات بھی ہوتی ہیں۔نفاق کی علامات انسان کو خود میں تلاش کرنی چاہئیں‘ نہ کہ دوسروں میں۔نفاق کی پہلی علامت نیکی سے روکنا اور برائی کو عام کرنا ہے۔قرآن اسے منافقین کے طرزِ عمل کے طور پر سورۃ التوبہ میں بیان فرماتا ہے:﴿اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۶۷﴾ ’’منافق مرد اور منافق عورتیں ایک ہی طرح کے ہیں۔برائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند کیے رکھتے ہیں (یعنی اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے)۔انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انہیں نظرانداز کردیا۔بے شک منافقین ہی فاسق ہیں‘‘۔اس کے مقابلے میں ایمان والے نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔اس حوالے سے ہمیں بھی اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

مرضِ نفاق کی دوسری علامت دنیا سے محبّت اور موت کا خوف ہے۔سورۃ النساء میں ارشاد ہوا:

﴿فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ

كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ﴾ (آیت ۷۷)

’’پھر جب ان پر جنگ فرض کردی گئی تو ان میں سے بعض لوگوں سے یوں ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیے بلکہ اس سے بھی زیادہ‘ اور بڑبڑانے لگے کہ اے اللہ! تو نے ہم پر جنگ کیوں فرض کردی؟ تھوڑی مدت اور مہلت ہمیں کیوں نہ دی؟ (اے نبی ﷺ!) آپ ان سے کہہ دیجیے کہ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے‘ اور آخرت بہتر ہے پرہیزگاروں کے لیے۔‘‘

اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت کی طلب اور فکر عطا فرمائے۔

اسلامی معاشرے یا اسلامی جماعت میں قیادت کے خلاف سرگوشیاں اور خفیہ سازش کرنا بھی نفاق کی ایک علامت ہے۔جب منافقین کو قتال میں شرکت کا سامنا ہوتا ہے تو وہ قیادت کے خلاف کونے کھدروں میں بیٹھ کر باتیں کرنا شروع کردیتے ہیں۔سورۃ المجادلہ میں ارشاد ہوا:﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۡ﴾ (آیت ۸) ’’کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہیں خفیہ سرگوشیوں سے منع کیا گیا تھا مگر وہ دوبارہ وہی کرتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا تھا اور باہم سرگوشیاں کرتے ہیں گناہ اور معصیت اور زیادتی کے کاموں اور رسول اللہ (ﷺ) کی نافرمانی کے لیے‘‘۔اس کے لیے قرآن نے ’’نجویٰ‘‘ کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے۔

اجتماعات میں سرگوشیوں کے لیے ساتھ بیٹھنا اور اجتماع کے اثرات کو زائل کرنا بھی نفاق کی ایک علامت ہے۔سورۃ المجادلہ میں ارشاد ہوا:﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا﴾ (آیت ۱۱) ’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں کھل کر بیٹھو تو کھل جاؤ‘ اللہ تمہارے لیے کشادگی پیدا کردے گا۔اور جب تم سے کہا جائے کہ اُٹھ جاؤ تو اُٹھ جایا کرو‘‘۔منافقین اپنی منافقانہ حرکات پر پردہ ڈالنے کے لیے اس قسم کا طرزِ عمل اختیار کیا کرتے تھے کہ وہ آخر میں آکر حضور ﷺ سے ہاتھ ملایا کرتے تھے تاکہ لوگوں کے سامنے ان کی حاضری بھی ظاہر ہوجائے اور الگ سے گفتگو بھی کرنا چاہتے تھے تاکہ لوگوں پر یہ ظاہر ہو کہ یہ

بہت سرگرم قسم کے کارکن ہیں۔ جب تک ہم انقلابی جدّوجُہد میں شامل نہیں ہوتے تو قرآن کریم کی اس قسم کی باتوں کا مطلب ہمیں پوری طرح سمجھ میں نہیں آسکتا۔

منافق کی ایک علامت تحریک کے دشمنوں سے دوستیاں رکھنا ہے۔ سورۃ المجادلہ میں ارشاد ہوا: ﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا قَوۡمًا غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ ؕ مَا ہُمۡ مِّنۡکُمۡ وَ لَا مِنۡہُمۡ﴾ (آیت ۱۴) ”بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ایسوں سے دوستی رکھتے ہیں جن پر اللہ کا غضب ہوا۔ وہ نہ تمہارے ساتھ ہیں اور نہ ان کے ساتھ ہیں۔“

نفاق کی ایک اور علامت نماز اور ذکرِ الٰہی میں کاہلی اور سستی کرنا ہے۔ سورۃ النساء میں ارشاد ہوا: ﴿وَ اِذَا قَامُوۡۤا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوۡا کُسَالٰی ۙ یُرَآءُوۡنَ النَّاسَ وَ لَا یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۱۴۲﴾﴾ ”اور جب (منافق) نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سُست اور کاہل ہو کر (صرف) لوگوں کو دکھانے کے لیے اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر بہت کم۔“ نبی اکرم ﷺ کے دور کے منافق مسجد میں آ کر باجماعت نماز ادا کرتے تھے تاکہ ان کو مسلمان سمجھا جائے، جبکہ آج مسلمانوں کی عظیم اکثریت پانچوں وقت کی نماز ضائع کرتی ہے۔ گویا وہ مطمئن ہیں کہ وہ پکے سچے مسلمان ہیں۔

نفاق کے درجات

اب ہم مرضِ نفاق کے درجات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پہلا درجہ منافق کا اپنی کمزوری کو چھپانے کے لیے جھوٹا عذر پیش کرنا ہے۔ سورۃ المنافقون کی پہلی آیت میں ارشاد ہوا: ﴿اِذَا جَآءَکَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ قَالُوۡا نَشۡہَدُ اِنَّکَ لَرَسُوۡلُ اللّٰہِ ۘ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوۡلُہٗ ؕ وَ اللّٰہُ یَشۡہَدُ اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَکٰذِبُوۡنَ ﴿۱﴾﴾ ”(اے نبی ﷺ!) جب منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ آپ اُس کے رسول ہیں۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں۔“

دوسرا درجہ اپنے بہانے میں وزن پیدا کرنے کے لیے منافق کا جھوٹی قسمیں کھانا ہے۔ سورۃ النور میں ارشاد ہوا: ﴿وَ اَقۡسَمُوۡا بِاللّٰہِ جَہۡدَ اَیۡمَانِہِمۡ لَئِنۡ اَمَرۡتَہُمۡ لَیَخۡرُجُنَّ ؕ قُلۡ لَّا تُقۡسِمُوۡا ۚ طَاعَۃٌ مَّعۡرُوۡفَۃٌ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۵۳﴾﴾ ”اور وہ اللہ کی سخت سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر آپ ان کو حکم دیں تو (اللہ کی راہ میں) ضرور نکلیں گے۔ کہہ دیجیے کہ

قسمیں مت کھاؤ، (مطلوب ہے) بھلے طریقے سے اطاعت۔ بے شک اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔“

تیسرا درجہ اپنی کمزوری کو چھپانے کی غرض سے دوسرے ساتھیوں کو دین کے لیے قربانی دینے سے روکنا ہے، کیونکہ جب مخلص لوگ آگے بڑھتے ہیں تو منافقین کا پیچھے رہنا نمایاں ہو جاتا ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں ارشاد ہوا: ﴿اَلَّذِیۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِہِمۡ وَ قَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ؕ قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِکُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۶۸﴾﴾ ”وہ لوگ جنہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا اور خود بیٹھ رہے کہ اگر وہ (مسلمان) ہماری بات مان لیتے تو مارے نہ جاتے۔ کہہ دیجیے کہ تم اتنے سچے ہو تو اپنے اوپر سے موت کو ٹال کر دکھاؤ۔“ غزوۂ اُحد میں منافقین اہلِ ایمان سے الگ ہو گئے تھے، یہ ان کا ذکر ہے۔

آخری درجہ جسے ہم انگریزی میں point of no return کہتے ہیں، مخلص ساتھیوں اور قائد سے دشمنی ہے۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد ہوا: ﴿وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ اٰمِنُوۡا کَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ کَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَہَآءُ ؕ﴾ (آیت ۱۳) ”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے، تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں بیوقوفوں کی طرح؟“ معاذ اللہ! منافقین نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ تک کہا۔ یہ نفاق کے مرض کا انتہائی گھناؤنا درجہ ہے جس سے واپسی ممکن نہیں۔

نفاق کا علاج

اب ہم یہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ مرضِ نفاق کا علاج کیا ہے۔ نفاق کا سبب مال و اسباب کی محبت تھی اور اس کا علاج اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے انفاق کرنا یعنی مال جیسی محبوب شے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ چنانچہ سورۃ المنافقون میں ارشاد ہوا:

> (ترجمہ) ”اور خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے اور وہ کہے کہ اے میرے ربّ! تُو نے مجھے ایک قریب کی مدت تک مہلت کیوں نہ دی کہ میں خوب صدقہ کرتا اور نیکوکاروں میں سے ہو جاتا۔ اور اللہ ہرگز کسی نفس کو مہلت نہیں دیتا جب اس کی موت آجائے، اور اللہ خوب واقف ہے اس سے جو تم کرتے ہو۔“ (آیت ۱۰، ۱۱)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مرضِ نفاق کا سب سے زیادہ خطرہ کن کو ہے؟ مرضِ نفاق کا سب سے زیادہ خطرہ ان لوگوں کو ہے جن پر دین کے اصل تقاضے یعنی پوری زندگی میں اللہ کی کُلّی اطاعت کرنا‘ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اور دین کے لیے مال اور جان سے جہاد کرنا واضح ہو چکے ہوں۔ اب اگر وہ ان تقاضوں کی ادائیگی سے اعراض کرتے ہیں تو مرضِ نفاق میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ اے اللہ! ہمارے دلوں کو نفاق سے پاک فرما۔ آمین!

جہاد سے اعراض کی سزا: نفاق

اب ہم آج کے دوسرے موضوع ”جہاد سے اعراض کی سزا: نفاق“ پر سورۃ المنافقون کی روشنی میں گفتگو کریں گے —— اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے جدّوجُہد کا نام جہاد ہے اور اس سے اعراض کی سزا نفاق ہے۔ قرآن حکیم میں سورۃ المنافقون سے پہلے سورۃ الصّف اور سورۃ الجمعہ ہیں۔ ان دو سورتوں کے ساتھ سورۃ المنافقون کا ربط یہ ہے کہ سورۃ الصّف اور سورۃ الجمعہ کا موضوع ہے غلبہ دین کے لیے جہاد فی سبیل اللہ اور اس کا اساسی طریقہ کار‘ جبکہ جہاد فی سبیل اللہ سے اعراض کا نتیجہ نفاق ہے جو سورۃ المنافقون کا موضوع ہے۔ قرآن حکیم میں سورۃ المنافقون کے بعد سورۃ التغابن آئی ہے۔ سورۃ المنافقون کا موضوع حقیقتِ نفاق ہے جبکہ سورۃ التغابن کا موضوع حقیقتِ ایمان ہے۔ نفاق دراصل کفرِ حقیقی ہے جو ایمانِ حقیقی کی ضد ہے۔ اگر ایمانِ حقیقی دل میں ہو تو جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے مراحل بھی طے ہوتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ اور اگر اسلام کا دعویٰ ہے لیکن اللہ کے دین کی سربلندی میں عملاً شریک نہیں تو یہ کفرِ حقیقی کا طرزِ عمل ہے جس کو نفاق کہا جاتا ہے۔ ایک کفر عقیدے کا ہوتا ہے۔ ایسے عقیدے کے حامل تو کھلے کافر ہوتے ہیں‘ جب کہ ایک کفر عمل میں ہوتا ہے جو کلمہ گو مسلمان میں بھی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ دل میں اگر ایمانِ حقیقی ہو تو دین کے تقاضوں پر عمل ہو رہا ہوگا‘ لیکن اگر اللہ کے دین کے تقاضوں پر عمل نہیں ہو رہا اور دعویٰ ایمان کا ہو تو یہ کفرِ حقیقی یعنی نفاق ہے۔

پہلے سورۃ المنافقون کی آیات کے تجزیے کی طرف چلتے ہیں۔ آیات ۱ تا ۳ میں مرضِ نفاق کے ابتدائی تین درجات کا بیان ہے۔ آیات ۴ تا ۸ میں مرضِ نفاق کا چوتھا درجہ اور اس کی ہلاکت خیزی کا تذکرہ ہے۔ آیت ۹ میں مرضِ نفاق کا سبب اور اس کی حفاظتی تدبیر‘ جبکہ آیات ۱۰‘ ۱۱ میں مرضِ نفاق کے علاج کا بیان ہے۔

پہلی آیت میں ارشاد ہوا:

﴿اِذَا جَآءَکَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ قَالُوۡا نَشۡہَدُ اِنَّکَ لَرَسُوۡلُ اللّٰہِ ۘ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوۡلُہٗ ؕ وَ اللّٰہُ یَشۡہَدُ اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَکٰذِبُوۡنَ ﴿۱﴾﴾

”(اے نبی ﷺ!) جب بھی منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ آپ (ﷺ) اُس کے رسول ہیں۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بلاشبہ یہ منافقین واقعی جھوٹے ہیں۔“

نفاق کا پہلا درجہ جھوٹ بولنا ہے۔ منافقین نبی اکرم ﷺ کی اطاعت سے پہلوتہی کرتے اور اپنی کوتاہیوں کی تلافی کے لیے بار بار یقین دہانی کراتے کہ اے نبی ﷺ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ اس آیت میں منافقین کے جھوٹا ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اور جھوٹ ہی مرضِ نفاق کا پہلا درجہ ہے‘ یعنی دینی تقاضوں سے اعراض کے لیے جھوٹے عذر تراشنا۔

آیت ۲ میں ارشاد ہوا:

﴿اِتَّخَذُوۡۤا اَیۡمَانَہُمۡ جُنَّۃً فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ اِنَّہُمۡ سَآءَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲﴾﴾

”انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے‘ پس وہ اللہ کی راہ سے رکتے اور روکتے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ برا ہے عمل جو وہ کر رہے ہیں۔“

نفاق کا دوسرا درجہ اللہ کی راہ میں نکلنے سے اعراض پر شرمندگی‘ جواب دہی اور تادیبی کارروائی سے بچنے کے لیے اپنی قسموں کو پناہ گاہ بنانا ہے۔ نفاق کا تیسرا درجہ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ میں نکلنے سے روکنا ہے تاکہ ان کی اپنی کمزوری نمایاں نہ ہو۔

آیت ۳ میں ارشاد ہوا:

﴿ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ فَہُمۡ لَا یَفۡقَہُوۡنَ ﴿۳﴾﴾

”یہ اس لیے کہ یہ ایمان لائے‘ پھر انہوں نے کفر کیا تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی‘ سو یہ اب سمجھتے ہی نہیں۔“

یہاں ایسے منافقین کا ذکر ہے جو خلوصِ دل کے ساتھ ایمان لائے تھے‘ لیکن بعد ازاں دین کے تقاضوں سے پسپائی اختیار کی اور ایمانِ حقیقی سے محروم ہو گئے۔ سوہ النساء میں ارشاد ہوا: ﴿اِنَّ

﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳۸﴾﴾

''بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا' پھر ایمان لائے' پھر کفر کیا' پھر وہ کفر میں بڑھتے چلے گئے' اللہ تعالیٰ ان کو بخشنے والا نہیں ہے اور نہ ہی انہیں راہ یاب کرنے والا ہے۔ (اے نبی ﷺ!) ایسے منافقوں کو آپ بشارت سنا دیجیے کہ ان کے لیے بڑا دردناک عذاب ہے''۔ اس آیت میں اعلانیہ یا قانونی کفر کا ذکر نہیں ہے۔ نفاق کا کُل معاملہ قلب سے متعلق ہے۔ قلب میں ایمان ہے تو انسان مؤمن ہے' اور اگر قلب میں ایمان نہیں تو پھر وہ نفاق کی آماج گاہ ہے۔

آیت ۴ میں ارشاد ہوا:

﴿وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۭ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۭ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۭ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۭ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۡ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۴﴾﴾

''اور جب بھی آپ (ﷺ) انہیں دیکھتے ہیں تو ان کے (ظاہری) جسم آپؐ کو متاثر کرتے ہیں' اور جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو آپؐ ان کی بات کو توجہ سے سنتے ہیں۔ گویا وہ خشک لکڑیاں ہیں جو دیوار سے لگائی گئی ہیں۔ ہر زور کی آواز کا رخ اپنی طرف سمجھتے ہیں۔ وہ دشمن ہیں ان سے بے خوف نہ رہنا۔ اللہ ان کو ہلاک کرے' یہ کہاں سے لوٹائے جاتے ہیں!''

اس آیت میں حضور ﷺ کو مخاطب کر کے کچھ باتیں اہلِ ایمان کو منافقین کے طرزِ عمل کے حوالے سے سمجھائی جا رہی ہیں اور اس مقام پر ان کے انجام کی طرف بھی اشارہ ہو رہا ہے۔ منافقین ظاہری اعتبار سے اپنے مال و دولت اور تن و توش کی وجہ سے ہر شخص کو مرعوب کر دیتے تھے۔ معنوی اعتبار سے یہ اس قدر بزدل ہوتے تھے کہ دشمن کے حملے کا نشانہ بھی خود کو سمجھتے تھے اور جہاد کے لیے مال و جان کی قربانی کی ندا کا رخ بھی اپنی طرف سمجھ کر گھبرا اُٹھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں منافقین کو مسلمانوں کا پوشیدہ دشمن قرار دیا کہ یہ آستین کے سانپ ہیں' لہٰذا ان سے ہوشیار رہا جائے۔ اللہ تعالیٰ آج بھی اُمّت کو اس کی آستین میں موجود سانپوں سے محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمانی بصیرت عطا فرمائے اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آیت ۵ میں ارشاد ہوا:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا

رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۵﴾﴾

''اور جب بھی ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ رسول اللہ (ﷺ) تمہارے لیے مغفرت مانگیں تو اپنے سر (انکار میں) ہلا دیتے ہیں اور آپؐ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ رکتے ہیں اس حال میں کہ وہ تکبّر کرتے ہیں۔''

یہ منافقین کا نبی اکرم ﷺ سے بغض و عداوت کا معاملہ ہے۔ یہ مرضِ نفاق کا چوتھا درجہ ہے یعنی مخلص ساتھیوں اور قیادت سے دشمنی' بغض و نفرت۔ اس وقت قیادت رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے اور انبیاءؑ کے بعد مخلص جماعت صحابہ کرامؓ کی تھی۔ یہ اس مرض کا آخری درجہ ہے جب انسان point of no return پر پہنچ جاتا ہے۔ یہ بیماری لاعلاج ہو جاتی ہے اور انسان شعوری نفاق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

آیت ۶ میں ارشاد ہوا:

﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۶﴾﴾

''برابر ہے ان کے حق میں کہ آپ (ﷺ) ان کے لیے مغفرت طلب کیجیے یا مغفرت نہ طلب کیجیے' اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ بیشک اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔''

اس مقام پر مرضِ نفاق کی ہلاکت خیزی کا بیان آیا ہے۔ روزِ قیامت ہمارے لیے نجات کی ایک امید نبی اکرم ﷺ کی دعائے شفاعت کا حصول ہے۔ منافقین کے حق میں یہ دعائے شفاعت قبول نہ ہو گی' اس سے بڑی محرومی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس برے انجام سے محفوظ فرمائے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی سُنّت کے خلاف ہے کہ وہ کسی کو زبردستی راہِ ہدایت پر لے آئے۔ جو لوگ دیدہ و دانستہ فسق و فجور کے راستے پر چل رہے ہوں' انہیں زبردستی ہدایت دینا اللہ کا ضابطہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ گمراہی کی ہر شکل سے ہماری حفاظت فرمائے۔

آیات ۷' ۸ میں ارشاد ہوا:

﴿هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۷﴾ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ

لَا يَعۡلَمُوۡنَ ⑧﴾

’’یہی ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کے رسول (ﷺ) کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو یہاں تک کہ یہ منتشر ہو جائیں۔ حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے لیے ہیں لیکن منافق نہیں سمجھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر لوٹ کر ہم مدینہ پہنچے تو عزّت والے ذلیل لوگوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے۔ جب کہ عزّت تو اللہ‘ اُس کے رسولؐ اور اہلِ ایمان کے لیے ہے لیکن منافق نہیں جانتے۔‘‘

ان آیات کے پس منظر میں غزوۂ بنی مصطلق کے فوراً بعد کا ایک واقعہ ہے جس سے منافقین کے نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بغض و نفرت کا اظہار ہوتا ہے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی پر نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی شان میں گستاخانہ باتیں کیں۔ اس موقع پر ایک صحابی حضرت ارقم ؓ بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے یہ بات پیش کی۔ آپ ﷺ نے عبداللہ بن اُبی کو بلایا۔ اس نے جھوٹ بول دیا کہ میں نے تو یہ بات نہیں کہی۔ معاملہ ان صحابی کی پوزیشن پر آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات عطا فرمائیں اور ان صحابیؓ کی براءت کا اعلان کیا۔ عبداللہ بن اُبی نے کہا تھا کہ ہم اہلِ مدینہ عزّت والے ہیں‘ ہم ان ذلیلوں کو نکال دیں گے‘ معاذ اللہ! ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک نیک دل اور مخلص مسلمان کے قول کی توثیق و تصویب کی اور منافقین کی غلط بیانی اور ناپاک عزائم کا پردہ چاک کر دیا۔ یاد رہے کہ یہ دنیا میں کلمہ پڑھتے تھے لیکن آخرت میں ان کے لیے سب سے بڑی سزا رکھی ہوئی ہے کہ یہ جہنّم کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوں گے۔ اے اللہ! ہم جہنّم کے عذاب سے آپ کی پناہ میں آتے ہیں۔

آیت ۹ میں ارشاد ہوا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُلۡهِكُمۡ اَمۡوَالُكُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُكُمۡ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ⑨﴾

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! غافل نہ کر دے تمہیں تمہارا مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے‘ اور جو ایسا کریں گے تو وہی خسارہ اٹھانے والے ہیں۔‘‘

مرضِ نفاق کا سبب مال اور اولاد کی محبت ہے۔ اصلاً تو نفاق کا مرض دنیا کی محبت سے پیدا ہوتا ہے۔ دنیا کی محبت کے دو بڑے عنوانات مال اور اولاد کی محبت ہے۔ ان کی محبتوں میں ڈوب

کر انسان اللہ کے دین سے فرار اختیار کرتا ہے اور نفاق کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔ اس کے لیے حفاظتی تدبیر ذکر یعنی ہر دم اللہ اور اس کے احکام کو یاد رکھنا ہے۔ ذکر کے معنی دل میں اللہ کو یاد رکھنا ہے‘ اور جب بندہ دل میں اللہ کو یاد رکھے گا تو اس کے احکامات کو بھی یاد رکھے گا‘ فرمانبرداری کی روش اختیار کرے گا اور اپنے آپ کو گناہوں سے بچائے گا۔ انسان جب بھی اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو شیطان اس پر حملہ آور ہو جاتا ہے۔ سورۃ الزخرف میں ارشاد ہوا: ﴿وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيۡنٌ ㊱﴾

’’اور جو رحمٰن کے ذکر سے غفلت برتتا ہے تو ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔‘‘

آیات ۱۰‘۱۱ میں ارشاد ہوا:

﴿وَاَنۡفِقُوۡا مِنۡ مَّا رَزَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ فَيَقُوۡلَ رَبِّ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنِىۡۤ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ⑩ وَلَنۡ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفۡسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ⑪﴾

’’اور خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آ جائے تو وہ کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دی تاکہ میں صدقہ کر لیتا اور نیک لوگوں میں سے ہو جاتا۔ اور اللہ ہرگز مہلت نہیں دیتا کسی جان کو جب اُس کا وقت معیّن آ پہنچتا ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔‘‘

مرضِ نفاق کا سبب مال کی محبت ہے۔ اس کا علاج اِنفاق یعنی مال جیسی محبوب شے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ مال خرچ کرنے سے انسان کے باطن سے دنیا کی محبت نکلتی ہے اور اس کا تزکیہ ہوتا ہے۔ سورۃ العادیات میں ارشاد ہوا: ﴿وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الۡخَيۡرِ لَشَدِيۡدٌ ⑧﴾ ’’بے شک انسان کو مال سے شدید محبت ہے‘‘۔ اگر انسان نفاق کے علاج کے لیے اِنفاق نہیں کرتا تو بالآخر موت تو آنی ہی ہے‘ اس وقت وہ تمام دنیوی نعمتوں سے محروم ہو جائے گا۔ جب ایک بار موت آ جائے تو اسے ٹالا نہیں جا سکتا۔ غرق ہوتا ہوا فرعون بھی ایمان لایا‘ لیکن اللہ نے فرمایا کہ اب ماننے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اسی طرح موت کی جگہ بھی طے شدہ ہے۔ (باقی صفحہ 97 پر)

اسلام اور حقوقِ نسواں

میمونہ اسلم ☆

اسلام ایک ایسا مہذب دین ہے جس نے انسان کو اشرف المخلوقات کہا اور قرآن حکیم نے وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِيۡۤ اٰدَمَ کہہ کر اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور اس کے سر پر عزّتوں کا تاج سجایا۔ مرد ہو یا عورت‘ اللہ نے دونوں کے عمل کی بہترین جزا کا وعدہ فرمایا۔ اللہ ربّ العزت نے قرآن پاک‘ سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا:

﴿مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً‌ ۚ وَلَـنَجۡزِيَـنَّهُمۡ اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝۹۷﴾

''جو مرد یا عورت نیک عمل کرے اور وہ مسلمان ہو تو ہم ضرور اسے پاکیزہ زندگی دیں گے‘ اور ہم ضرور انہیں ان کے بہترین کاموں کے بدلے میں ان کا اجر دیں گے۔''

اور پھر بالخصوص عورت کو وہ مقام و مرتبہ عطا فرمایا جو دنیا کے کسی مذہب اور معاشرے نے نہیں دیا۔ اس نے عورت کو قعر المذلّۃ سے نکال کر عزّت کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا۔

قبل از اسلام عورت کی حیثیت

اگر ہم تاریخ انسانی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ نورِ اسلام کے روشن ہونے سے پہلے جزیرۃ العرب ہو یا یورپ‘ مصر ہو یا یونان‘ ہر طرف عورت پر ظلم وستم کی داستانیں ملتی ہیں۔ August Bell نے لکھا ہے:

''قدیم دور میں عورت کی حیثیت انتہائی کم درجے کی تھی‘ اسے جسمانی طور پر مغلوب کر کے قبضہ میں رکھا جاتا تھا‘ خانگی معاملات میں بھی اس کی حیثیت نوکروں سے صرف ایک درجے بہتر تھی۔ اس کے بیٹے اس کے آقا ہوتے تھے جن کی فرماں برداری اس پر لازم ہوتی تھی۔''(۱)

☆ ناظمہ جامعہ نقشبندیہ کنز الایمان‘ منڈی بہاؤ الدین

یونان جو تہذیب وتمدن کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا‘ وہاں بھی عورت کا کوئی مقام نہ تھا۔ اس دور کے مشہور فلسفی سُقراط نے کہا: ''عورت سے زیادہ فتنہ کی کوئی چیز نہیں‘ وہ دفلی کا درخت ہے جو بظاہر بہت خوبصورت دکھائی دیتا ہے‘ لیکن اگر اس کو چڑیا کھالیتی ہے تو وہ مرجاتی ہے''۔ اسپارٹ کے قانون میں یہ تصریح موجود تھی:

''ضعیف القویٰ شوہروں کو اپنی کم سن بیویاں کسی نوجوان کے حبالہ عقد میں دے دینی چاہئیں تاکہ فوج میں قوی سپاہیوں کی تعداد میں اضافہ ہو۔''(۲)

''یورپ جو آج مساوات کا دعویدار ہے‘ وہاں بھی ایسا کوئی قانون نہ تھا جو عورت کو مرد کی زیادتیوں سے پناہ دیتا۔''(۳)

''اسلام اور جدید ذہن کے شبہات'' میں محمد قطب نے لکھا ہے:

''قدیم یورپ بلکہ دنیا بھر میں عورت کی کوئی قدر ومنزلت نہ تھی۔ قدیم فلاسفہ عرصہ دراز تک اس بات پر سر کھپاتے رہے کہ کیا عورت میں روح بھی ہے یا نہیں؟ اور اگر روح ہے تو انسانی ہے یا حیوانی؟'' (ص ۱۷۲)

''عرب کے مختلف قبائل نے عورت کی سماجی زندگی اور اس کے حقوق کو نہ صرف پامال کیا‘ بلکہ وحشیانہ سلوک اور رویہ اپنایا۔ اس سماج میں عورت نے ایک جائیداد کی حیثیت رکھی‘ شوہر کے انتقال کے بعد اسے فروخت کر دیا جاتا۔ بیوی کو جوئے میں داؤ پر لگا دینے کا رواج تھا اور اپنی بیوی کو خاص مدت تک دوسروں کو کرائے پر دینے کی رسم بھی تھی۔''(۴)

قدیم ہندوستانی معاشرے میں عورت کی مظلومی اور بے بسی کی یہ انتہا تھی کہ اسے شوہر کی چِتا پر نذرِ آتش کیا جاتا تھا اور بیواؤں کو یہ باور کروایا جاتا تھا کہ ستی ہو جانے کی صورت میں ہی ان کی فلاح ونجات ہے۔ مہا بھارت اور رامائن میں بھی ستی کا ثبوت ملتا ہے۔ جو بیوائیں خود کو آگ کے سپرد نہیں کرتی تھیں‘ ان پر کئی پابندیاں اور سخت اصول وقواعد لاگو تھے‘ بیوہ کا حُسن مسخ کیا جاتا تھا اور سر منڈوایا جاتا تھا‘ تاکہ وہ پُرکشش نہ لگے۔(۵)

''یہودیت کے مطابق عورت ناپاک وجود ہے اور کائنات میں مصیبت اسی کے سبب ہے۔''(۶)

انگلینڈ کے بادشاہ ہنری ہشتم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے دور میں یہ قانون پاس کیا ہوا تھا کہ عورت مقدس کتاب انجیل کی تلاوت نہیں کر سکتی‘ کیونکہ وہ ناپاک تصور کی جاتی تھی۔

قرآن کریم نے غیر مسلموں کے عورت کے ساتھ سلوک کو سورۃ النحل میں اس طرح بیان کیا ہے:

﴿وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِالۡاُنۡثٰی ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيۡمٌ ۝۵۸ يَتَوَارٰی مِنَ الۡقَوۡمِ مِنۡ سُوۡٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمۡسِكُهٗ عَلٰی هُوۡنٍ اَمۡ يَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ ۝۵۹﴾

''اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی ہونے کی خوش خبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غصے سے گھٹنے لگتا ہے۔ اس بشارت کی برائی کے سبب لوگوں سے چھپا پھرتا ہے۔ (سوچتا ہے) کیا اسے ذلت کے ساتھ رکھے یا اسے مٹی میں دبا دے؟ خبردار! یہ کتنا برا فیصلہ کر رہے ہیں۔''

اسی طرح قرآن نے ان کی رسومات کا بیان سورۃ الانعام میں اس طرح کیا ہے:

﴿وَ قَالُوۡا مَا فِیۡ بُطُوۡنِ هٰذِهِ الۡاَنۡعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوۡرِنَا وَ مُحَرَّمٌ عَلٰۤی اَزۡوَاجِنَا ۚ وَ اِنۡ يَّكُنۡ مَّيۡتَةً فَهُمۡ فِيۡهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجۡزِيۡهِمۡ وَصۡفَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ ۝۱۳۹﴾

''اور کہتے ہیں: ان مویشیوں کے پیٹ میں جو ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ مرا ہوا ہو تو پھر سب اس میں شریک ہیں۔ عنقریب اللہ انہیں ان کی باتوں کا بدلہ دے گا۔ بے شک وہ حکمت والا، علم والا ہے۔''

اسلام میں عورت کی عزّت وتکریم اور حقوق

اب اسلام کا طرزِ عمل دیکھ کر موازنہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام آیا تو اس نے پہلے تو کہا: ﴿خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ ''تم کو ایک جان سے پیدا کیا'' پھر کہا: ﴿خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا﴾ (النساء:۱) ''اور اسی سے اس کا جوڑا بھی بنایا'' اور پھر عورت پر ظلم وستم کرنے، اسے زندہ درگور کرنے پر قیامت کا ہولناک منظر یاد کروایا اور کہا:

﴿وَاِذَا الۡمَوۡءٗدَةُ سُئِلَتۡ ۝۸ بِاَیِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ ۝۹﴾ (التکویر)

''اور جب زندہ دفن کی گئی سے پوچھا جائے گا، کہ وہ کس گناہ کے سبب ماری گئی؟''

اور سورۃ الاسراء میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ خَشۡيَةَ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُهُمۡ وَاِيَّاكُمۡ ؕ اِنَّ قَتۡلَهُمۡ كَانَ خِطۡاً كَبِيۡرًا ۝۳۱﴾

''اور غربت کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی، بے شک انہیں قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے۔''

سورۃ الاسراء کے اس رکوع میں متعدد کبیرہ گناہوں کے بارے میں واضح طور پر حکم دیا ہے کہ ان سے بچو، چنانچہ یہاں بیان کردہ پہلا گناہ اولاد کو قتل کرنا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بہت سے اہلِ عرب اپنی چھوٹی بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ امیر تو اس لیے کہ کوئی ہمارا داماد نہ بنے اور ہم ذلت وعار نہ اٹھائیں، جب کہ غریب ومفلس اپنی غربت کی وجہ سے کہ انہیں کہاں سے کھلائیں گے۔(۷) دونوں گروہوں کا فعل ہی حرام تھا اور قرآن وحدیث میں دونوں کی مذمت بیان کی گئی ہے، البتہ یہاں بطورِ خاص غریبوں کو اس حرکت سے منع کیا گیا ہے۔

یہ آیتِ مبارکہ بھی اسلام کے زرّیں کارناموں میں سے ایک ہے کہ قتل وبربریت کی اس بدترین صورت کا بھی اسلام نے قلع قمع کیا اور بچیوں، عورتوں کو ان کے حقوق دلائے اور انسانی حقوق کے حوالے سے ایک مکروہ باب کو ختم کیا، بلکہ بچیوں کی پرورش کرنے پر عظیم بشارتیں عطا فرمائیں۔ چنانچہ حضرت انس ؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ وَضَمَّ أَصَابِعَهُ))(۸)

''جس کی پرورش میں دو لڑکیاں بالغ ہونے تک رہیں، وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ میں اور وہ پاس پاس ہوں گے۔ اور حضورِ اقدس ﷺ نے اپنی انگلیاں ملا کر فرمایا کہ اس طرح۔''

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے، حضور پُرنور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ كَانَتْ لَهُ أُنْثَى فَلَمْ يَئِدْهَا وَلَمْ يُهِنْهَا وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهُ عَلَيْهَا أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ))(۹)

''جس کی لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ درگور نہ کرے اور اس کی توہین نہ کرے اور اپنے بیٹوں کو اس پر ترجیح نہ دے تو اللہ تعالیٰ اسے جنّت میں داخل فرمائے گا۔''

ماؤں کے احترام اور بیٹیوں سے شفقت کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی دستوری اہمیت کا حامل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ وَ مَنْعَ وَ هَاتِ وَ وَأْدَ

الْبَنَاتِ)) (۱۰)

''اللہ تعالیٰ نے یقیناً تم پر ماؤں کی نافرمانی' ان سے مطلوبہ چیزوں سے انکار' بے جا مطالبہ اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا حرام ٹھہرایا۔''

رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے حقوق کے بارے میں واضح ہدایات فرمائیں اور عورتوں پر معاشی و معاشرتی ناانصافیوں کی روک تھام کی۔ آپ ﷺ کو کسی جنگ میں ایک مقتولہ عورت کی خبر ملی تو سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا:

((مَا كَانَتْ هٰذِهٖ لِتُقَاتِلَ))(۱۱) ''یہ تو لڑنے کے لیے نہیں تھی۔''

آپ ﷺ نے سپہ سالار خالد بن ولید ؓ کو کہلا بھیجا:

((لَا يَقْتُلَنَّ امْرَاَةً وَلَا عَسِيْفًا))(۱۲) ''عورت اور اجیر کو ہرگز قتل نہ کرو۔''

اسلام نے پوری دنیا کے سامنے حقوقِ نسواں کا ایسا حسین تصور پیش کیا اور عورتوں کے تئیں وہ نظریات اپنائے کہ اپنے تو اپنے' غیر بھی اس مثبت و مساوی نظامِ عمل پر عش عش کر اٹھے اور یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اسلام ہی دراصل حقوقِ نسواں کا علم بردار اور عدل و مساوات کا حقیقی ضامن ہے۔

اسلام سراسر عدل و انصاف اور خیر و رحمت کا مذہب ہے' عورتوں کو چاہیے کہ مغرب کے پُرفریب نعروں میں نہ آئیں' بلکہ اسلام کے پاکیزہ احکامات پر عمل کریں' ورنہ کہیں ان کا بھی وہی حشر نہ ہو جو آج یورپ کی تہذیب میں عورت کا ہو رہا ہے۔

اقوامِ متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق اس وقت دنیا کی آبادی ۷؍ارب ۷۰ کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے' جس کا تقریباً نصف خواتین ہیں۔ ملک پاکستان کی آبادی ایک محتاط اندازے کے مطابق ۲۲؍کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے' جس میں ۵۱ء۲۴ فیصد مردوں' ۴۸ء۷۶ فیصد عورتوں کی شرح تناسب ہے اور اس کی تقریباً ۹۵ سے ۹۷ فیصد آبادی مسلمان ہے اور اس میں ۳ سے ۵ فیصد اقلیتیں ہیں' جن میں مسیحی' ہندو اور دیگر مذاہب کے لوگ شامل ہیں اور معاشرہ میں خوش قسمتی سے دینی روایات کا رجحان ہے۔ انہی وجوہات کی بنا پر معاشرہ میں خواتین کو ادب و احترام سے دیکھا جاتا ہے۔

گزشتہ کچھ عرصہ سے ایک مخصوص مغرب زدہ طبقہ عجیب شور و غل بپا کیے ہوئے ہے کہ عورت

مظلوم ہے اور اس کو اس کے بنیادی حقوق سے محروم کیا جاتا ہے اور اس کی وجہ مذہب ہے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس گروہ نے نہ تو مذہب کا مطالعہ کیا ہے اور نہ اسے اس سے کوئی غرض ہے' بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک مسلمان خاتون کے وہ مسائل ہی نہیں جن کے نعرے الاپے جاتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ معاشرے میں بہت بگاڑ اور حق تلفیاں ہیں' محرومیاں ہیں' بدسلوکیاں ہیں' مگر یہ بھی سچ ہے کہ اس کی وجہ اسلام نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات کی عدم معلومات یا اس پر عمل نہ ہونا ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ دونوں طرف کچھ کمزوریاں ہیں' لیکن ہم دیگر معاشروں اور تہذیبوں میں عورت کی حالت زار بھی دیکھ چکے اور ہم نے اسلام کے عطا کردہ حقوق کا بھی چیدہ چیدہ جائزہ لیا۔ ہم نے دیکھنا ہے کہ ایک مہذب معاشرے میں خاتون کے لیے ایسے کون سے حقوق ہیں جو اس کی زندگی کو آسان بھی کریں اور مذہب سے دور بھی نہ کریں؟ اور ایک عورت کے مسائل کیا ہیں اور اس کی وجوہات کیا ہیں؟

Women's Rights سے مراد وہ حقوق ہیں' جن میں ایک عورت کے جسمانی تحفظ' معاشی خودمختاری' جنسی استحصال سے تحفظ' پسند کی شادی' افزائش نسل کے حقوق' جائیداد رکھنے کا حق' تعلیم کا حق اور جینے کا حق شامل ہے۔

اب یہ تمام وہ حقوق ہیں جن کی اسلام صرف بات ہی نہیں کرتا بلکہ اس کے عدم نفاذ پر تنبیہ بھی کرتا ہے۔ اسلام ہی وہ دین ہے جس نے عورت کی تقدیس کا اتنا خیال کیا۔ قرآن مجید میں سورۃ النساء موجود ہے' جس میں عورتوں کے لیے احکامات موجود ہیں' ان کی حرمت کا تذکرہ ہے اور ان کے لیے وراثت میں حصوں کا بیان ہے۔ اگر تعلیم کے میدان کی بات کی جائے تو اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ ؓ کا تعلیم دینا اُمّت کی خواتین کے لیے اُسوہ ہے۔ معیشت و تجارت کی بات کریں تو اُمّ المومنین سیّدہ خدیجہ ؓ کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے جو مکہ کی سب سے بڑی تاجرہ تھیں۔

عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝۱۹﴾ (النساء)

''اے ایمان والو! تمہارے لیے حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ۔ اور عورتوں کو اس نیت سے روکو نہیں کہ جو مہر تم نے انہیں دیا تھا اس میں سے کچھ لے لو' سوائے اس صورت کے کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں' اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے گزر بسر کرو۔ پھر اگر تمہیں وہ ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناپسند ہو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھ دے۔''

آقا کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي))(۱۳)

''تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہے' اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم میں سب سے بہتر ہوں۔''

یہاں تک کہ طلاق بھی ہو جاتی ہے تو رب العالمین کا فرمان موجود ہے کہ اپنی مطلقہ بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو:

﴿اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ
لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۭ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى
يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا
بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى ۝٦
لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ
اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۭ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۭ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ
عُسْرٍ يُّسْرًا ۝٧﴾ (الطلاق)

''عورتوں کو وہاں رکھو جہاں خود رہتے ہو اپنی گنجائش کے مطابق اور انہیں تکلیف نہ دو کہ ان پر تنگی کرو۔ اور اگر وہ حمل والیاں ہوں تو ان پر خرچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ بچہ جن دیں۔ پھر اگر وہ تمہارے لیے (بچے کو) دودھ پلائیں تو انہیں ان کی اجرت دو' اور آپس میں اچھے طریقے سے مشورہ کر لو' اور اگر تم آپس میں دشواری سمجھو تو عنقریب اسے کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی۔ مالی وسعت رکھنے والے کو چاہیے کہ اپنی گنجائش کے مطابق خرچ کرے' اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا ہے تو اسے چاہیے کہ اس میں سے خرچہ دے جو اسے اللہ نے دیا ہے۔ اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں رکھتا مگر اسی

قابل جتنا اسے دیا ہے۔ جلد ہی اللہ دشواری کے بعد آسانی فرما دے گا۔''

اور یہاں تک قوانین موجود ہیں کہ اگر کوئی کسی پاک دامن عورت پر بدکاری کی تہمت لگائے تو اس کو کوڑے لگاؤ اور اس کی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔ چنانچہ سورۃ النور میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ
فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ
هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝٤ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٥﴾

''اور جو پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لائیں تو انہیں اَسّی کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی نہ مانو' اور وہی فاسق ہیں۔ مگر جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اسلام نے نکاح کے سلسلہ میں ولی اور سرپرست کو اہمیت ضرور دی' مگر ساتھ یہ بھی کہا کہ لڑکی سے اجازت لے لو۔ پھر اسے مہر کا حق دیا ہے' اور اگر شوہر حقِ زوجیت ادا نہیں کر سکتا تو خلع کا حق دیا ہے۔ مساوات کا حق' رشتہ داروں سے ملاقات کا حق' عبادت کا حق' کاروبار کا حق' کفالت کا حق اور اگر شوہر کا انتقال ہو جائے یا طلاق کی صورت میں عقدِ ثانی کا حق' حقِ وراثت' الغرض ہر طرح کی آسانی دی ہے۔ نیز اس کی حرمت کا خیال رکھتے ہوئے مرد کو ایلاء وظہار سے منع کیا ہے۔ اگر کوئی اسلام کا صحیح مطالعہ نہیں کرتا یا اس پر عمل نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ اسلام کا قصور ہے' قصور اس کی سمجھ اور عمل کا ہے۔

اس کے برعکس مغرب نے عورت کو جو آزادی دی' اس کے بدلے میں وہاں کی عورت نے اپنا سکون گنوایا' اپنی شرم وحیا گنوائی' اپنے گھر جیسے پُرسکون ادارے کو خیر باد کہا۔ اور جب یہ نام نہاد آزادی ملی تو نتیجہ یہ ہوا کہ ہوس کے پجاری مَردوں کے ہاتھوں کھلونا بنی' ناجائز بچوں کی ماں بنی' جو پیشہ ور بھکاری یا چور ڈاکو بنے اور اسلام نے جو حقوق مسلم خاتون کو دیے' اس کے لیے ترسنے لگی۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم اتنا بہترین نظام چھوڑ کے کیا غیروں سے راہنمائی حاصل کریں گے؟

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

عورت مارچ اور حقوقِ نسواں: ایک جائزہ

کچھ عرصہ سے حقوقِ نسواں کے لیے عجب شور اٹھا ہے‘ جس کا ایک مسلمہ شریفہ عورت سے کوئی تعلق نہیں۔ اب اسلام کے بیان کردہ حقوق میں سے اگر کوئی حق اسے نہیں ملتا تو اسے شکایت کا حق حاصل ہے‘ مگر پہلے یہ تو معلوم ہو‘ حق کہتے کسے ہیں؟ علامہ شامی ؒ نے حق کی تعریف یہ کی ہے:

اَلْحَقُّ مَا یَسْتَحِقُّ الرَّجُلُ ’’حق وہ ہے‘ انسان جس کا مستحق ہو۔‘‘

اور علامہ شبلی ؒ فرماتے ہیں:

فَالْحَقُّ فِی الشَّرِیْعَۃِ لَا یَکُوْنُ حَقًّا اِلَّا اِذَا اَقَرَّہُ الشَّرْعُ وَحکمَ بِوُجُوْدِہٖ وَاعْتَرَفَ لَہٗ بِالْحِمَایَۃِ ‘ وَ لِھٰذَا فَاِنَّ مَصَادِرَ الْحُقُوْقِ فِی الشَّرِیْعَۃِ ھُوَ الشَّرِیْعَۃُ نفسھا

یعنی شریعت کی نگاہ میں حق وہی کہلائے گا جس کا شریعت اعتراف کرتی ہو‘ اس لیے شرعی ماخذ کے ذریعے ہی کسی شرعی حق کو پہچانا جاسکتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہر سال ۸/مارچ کو ایک مخصوص طبقہ جن حقوق کے لیے آوازیں بلند کرتا ہے‘ کیا وہ حقوق بھی ہیں یا نہیں؟ ان کے مطالبوں کو دیکھا گیا‘ تو کچھ مطالبے سامنے آئے:

- میرا جسم‘ میری مرضی
- چادر اور چار دیواری: ذہنی بیماری
- چادر اور چار دیواری تمہیں مبارک
- میں آوارہ میں بدچلن
- اپنا کھانا خود گرم کرو
- اکیلی آوارہ آزاد
- عورت بچے پیدا کرنے کی مشین نہیں
- تمہارے باپ کی سڑک نہیں
- دوپٹا اتنا پسند ہے تو خود لے لو

اور اس طرح کے مطالبات کی ایک تفصیل ہے۔ اور معاشرتی پابندیوں کو قتلِ نسواں اور حق تلفی کا نام دیتے ہوئے کہا گیا: ’’عورت ہو گی اب آزاد!‘‘

اب اگر ان نعروں کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے یہ کسی مسلم یا مہذب عورت کے مسائل ہی نہیں‘ کیونکہ اگر ہم مسلمان ہیں تو ہمارے لیے کچھ حدود و قیود ہیں اور اگر غیر مسلم کو کھلی چھٹی ہے تو اس سے ہمارا لینا دینا نہیں۔ یہ مسلم عورت کا چہرہ مسخ کرنے کی کوشش ہے اور یہ ایسے

مطالبے ہیں جو ایک مسلمان خاتون کے شایانِ شان نہیں۔ شرم و حیا مسلمان عورت کا زیور ہے اور انسان کے لیے فطری سرمایہ ہے۔ اسلام کا عطا کردہ خاندانی نظام ڈوبا تو مسلمان معاشرے کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ مسلمان عورت جانتی ہے:

- جسم بھی خدا کی عطا ہے‘ اس پر حکم بھی خدا کا چلے گا۔
- یہ اکیلی آوارہ آزاد نہیں‘ اس کے ساتھ اس کا پورا گھرانہ ہے۔
- یہ مغرب کی آوارہ آزاد نہیں ہے‘ جسے کوئی اٹھا کر لے جائے۔
- یہ تو سیدہ فاطمہ ؓ کی سیرت کی امین ہے‘ یہ تو سیدہ عائشہ ؓ کی سیرت سے سبق لیتی ہے۔
- یہ جانتی ہے‘ بچہ پیدا کیا تو اس کے نبی حضرت محمد ﷺ اُمّت کی کثرت پر فخر فرمائیں گے۔
- یہ جانتی ہے کہ جب یہ حمل سے ہوتی ہے تو اسے دن کے مجاہد اور صائم‘ رات کے قائم اللیل جیسا ثواب ملتا ہے۔
- اسے یہ بھی معلوم ہے کہ بچے کی ولادت پر اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ بچے کی رضاعت پر ہر گھونٹ کے بدلے ایک جان کو زندہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔
- یہ‘ یہ نہیں کہتی اپنا کھانا خود گرم کرو‘ اس کی تربیت حسن اخلاق ہے اور اسے معلوم ہے خاندانی نظام معاشرے کا حسن ہے۔
- یہ‘ یہ نہیں کہتی‘ دوپٹہ اتنا پسند ہے تو اپنی آنکھوں پر باندھ لو‘ کیونکہ یہ اس کی عزت و پہچان ہے اور اس کے ربّ کا فرمان ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝۵۹﴾ (الاحزاب)

’’اے نبی (ﷺ)! اپنی بیویوں اور اپنی صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دو کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے اوپر ڈالے رکھیں۔ یہ اس سے زیادہ نزدیک ہے کہ وہ پہچانی جائیں تو نہیں ستایا نہ جائے۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

ارشاد فرمایا کہ اے پیارے حبیب ﷺ! آپ اپنی ازواجِ مُطہّرات‘ اپنی صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دیں کہ جب انہیں کسی حاجت کے لیے گھر سے باہر نکلنا پڑے تو وہ

اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے چہرے پر ڈال کر رکھیں اور اپنے سر اور چہرے کو چھپائیں۔ زمانہ جاہلیت میں یہ طریقہ تھا کہ آزاد عورتیں اور باندیاں دونوں قمیص اور دوپٹہ پہنے چہرہ کھول کر باہر نکلتی تھیں اور جب رات کے وقت قضاءِ حاجت کے لیے کھجوروں کے جھنڈ اور نشیبی زمینوں میں جاتیں تو بدکار لوگ باندیوں کے پیچھے جاتے اور بعض اوقات وہ آزاد عورتوں پر بھی دست درازی کرتے اور یہ کہتے کہ ہم نے اس کو باندی گمان کیا تھا۔ اس پر آزاد عورتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ چادر سے جسم ڈھانک کر سر اور منہ چھپا کر باندیوں سے اپنی وضع ممتاز کر دیں تاکہ کوئی شخص ان کے متعلق بُری خواہش نہ کرے۔[۱۴] یاد رہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ لونڈیوں کو ستانا جائز تھا' بلکہ یہ ان فاسق وفاجر لوگوں کے ایک حیلے کے سامنے بند باندھنے کے لیے فرمایا گیا: ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ﴾ یعنی اگر آزاد مسلمان عورتیں اس طرح چادر اوڑھ کر' چہرہ ڈھانپ کر باہر نکلیں گی تو انہیں دور سے پہچان لیا جائے گا کہ یہ عزّت دار اور باحیا خواتین ہیں اور اس سے ان کی عزّت محفوظ رہے گی اور ستائی بھی نہیں جائیں گی۔

اس آیت مبارکہ سے ہمارے زمانے کی ان عورتوں کو درسِ عبرت حاصل کرنا چاہیے جو شرم وحیا کی چادر اتار کر' بن سنور کر بازاروں کی رونق بنی رہتی ہیں اور لوگوں کی ہوس کا نشانہ بنتی ہیں اور اوباش قسم کے لوگ ان پر آوازیں کستے اور چھیڑ خانی کرتے ہیں۔[۱۵]

پس جملہ بحث سے معلوم ہوا کہ اسلام عورت کا سب سے بڑا خیر خواہ' محافظ اور محسن ہے۔

ایس پی اسکاٹ اعتراف کرتا ہے:

''محمد (ﷺ) ہی واحد قانون عطا کرنے والے ہیں' جنھوں نے دنیا میں پہلی بار طبقہ نسواں کے لیے قوانین وضع کیے ہیں اور ان کے حقوق کو تحفظ دیا ہے''۔[۱۶]

جسٹس راجندر سچر نے کہا ہے:

''اسلام عورتوں کو جائیداد کے حقوق دینے میں بہت زیادہ اور فراخ دل اور ترقی پسند رہا ہے''۔[۱۷]

حواشی

(۱) عورت اور سماج' صفحہ ۱۶' ڈاکٹر محمد شمس (۲) http://libbazmeurdu.net
(۳) سید جلال الدین' عورت اسلامی معاشرے میں (۴) عورت اور سماج' صفحہ ۲۱

(۵) ایضاً' صفحہ ۴۳ (۶) اسلام کا معاشرتی نظام' ڈاکٹر خالد علوی' صفحہ ۴۶۶
(۷) خازن' الاسراء' تحت الآیة۳۱' جلد۳' ص۱۷۳/ نور العرفان' بنی اسرائیل' تحت الآیة۳۱' ص۴۵۴' ملخصاً
(۸) صحیح مسلم' کتاب البرّ والصلة والآداب' باب فضل الاحسان الی البنات' ص۱۴۱۵' ح۱۴۹ (۲۶۳۱)
(۹) ابوداؤد' کتاب الادب' باب فی فضل من عال یتیماً' جلد۴' ص۴۳۵' ح۵۱۴۶
(۱۰) صحیح البخاری' ح۵۹۷۵ (۱۱) سنن ابی داؤد' ح۲۶۶۹
(۱۲) ایضاً (۱۳) سنن الترمذی' ح:۳۸۹۵ عن عائشة اُمّ المؤمنین ؓ
(۱۴) البحرالمحیط' الاحزاب' تحت الآیة:۵۹' ج۷' ص۲۴۰
(۱۵) صراط الجنان
(۱۶) تجلّیات' حافظ محمد ثانی' صفحہ ۲۳۰ (۱۷) تجلّیات' صفحہ ۲۲۰

بقیہ: حُدودُ اللہ کی حفاظت

کے مصداق انسان جسم وروح کا مجموعہ ہے اور درحقیقت 'روح' اس مجموعہ میں زیادہ اہمیت رکھتی ہے ——— جبکہ آج کے مغربی معاشرے اور خالص اسلامی معاشرے کا تقابل کریں گے تو آج کے معاشرہ میں انسان صرف بدن اور حیوانی وجود کا نام ہے۔ اس کے برعکس وحی آسمانی کے تحت وجود میں آنے والا معاشرہ اور خلافت راشدہ کے ماتحت مطلوب معاشرہ جسمانی تقاضوں کو کسی قدر دبا کر (اور کنٹرول کر کے) روحانی تقاضوں اور اعلیٰ اخلاق وکردار کے فروغ کا مظہر ہے' یعنی جسم کو کسی حد تک نظر انداز کر کے صرف 'روح' کو جولانی کے لیے سازگار فضا فراہم کرنے کا نام ہے۔ گویا آج کی مغرب ومشرق کی جنگ اور آویزش 'بدن' اور 'روح' کے تقاضوں یا بدن اور روح کی جنگ ہے

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش ابلیس نے پھر اپنے درندوں کو اُبھارا
اللہ کو پامردیٔ مؤمن پہ بھروسہ ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

اے کاش کہ ——— نظامِ خلافت کے قیام کی جدّ وجہد میں مصروف ہم سب (خواتین وحضرات) اس پہلو سے بھی دینی تقاضوں کو پورا کرنے والے بن جائیں۔ آمین یارب العالمین!

روزی رساں اللہ ہے!

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

تمام کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کی مخلوق میں جتنے جاندار ہیں ان کا روزی رساں بھی وہ خود ہے۔ کیڑے مکوڑوں‘ درندوں‘ چرندوں‘ پرندوں‘ مویشیوں‘ جنگل کے جانوروں کی روزی کا بھی اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ انتظام کر رکھا ہے۔ اِن جانوروں میں جن کی خوراک گھاس ہے‘ ان کو گھاس میسر ہے‘ وہ گھاس پھونس کے علاوہ کچھ نہیں کھاتے۔ ہرن‘ نیل گائے‘ گدھے وغیرہ جو جنگلوں میں رہتے ہیں ان کے لیے وہاں وافر گھاس موجود ہے۔ کچھ جانور گوشت خور ہیں‘ ان کے لیے گوشت میسر ہے۔ گھاس کھانے والے جانور (خرگوش‘ بارہ سنگھے‘ زیبرے‘ ہرن وغیرہ) گوشت خور جانوروں شیر‘ چیتے‘ بھیڑیئے کی خوراک بن جاتے ہیں۔ یہ جانور چونکہ عاقل نہیں ہیں اور اپنی روزی پیدا نہیں کر سکتے۔ اس لیے ان کی خوراک کا اس طرح انتظام ہے کہ چلتے پھرتے ان کی ضرورت کی روزی ان کو مل جاتی ہے۔ پرندے اُڑتے ہوئے جہاں زمین پر دانہ دُنکا دیکھتے ہیں اُتر کر کھا لیتے ہیں۔

اس کے برعکس انسان عاقل مخلوق ہے۔ رازق تو انسان کا بھی اللہ تعالیٰ ہے مگر اس نے انسان کی روزی کا انتظام جانوروں سے مختلف انداز میں کیا ہے۔ انسان کے لیے کئی پیشے پیدا کیے گئے جن میں مصروف ہو کر وہ اپنی روزی کماتا ہے۔ درزی‘ موچی‘ کسان‘ مزدور اور دوسرے محنت کش اپنا رزق اپنی مخصوص محنت سے کماتے ہیں۔ ہر انسان اپنی ضروریات خود پوری نہیں کر سکتا‘ اس لیے اس عاقل مخلوق کو معاشرتی زندگی میسر ہے۔ ہر شخص اپنی ضروریات کے لیے دوسروں کا محتاج ہے۔ اس طرح انسان مل جل کر رہ رہے ہیں۔ زندگی گزارنے کے لیے ہر شخص اپنی ضرورت کی چیزیں اور خدمات دوسرے انسانوں سے لیتا ہے۔ جانوروں میں کچھ جانور جنگلی ہیں اور کچھ پالتو۔ پالتو جانوروں کو انسان اپنے گھروں میں رکھتے ہیں‘ ان کی مطلوبہ خوراک انہیں دیتے ہیں اور ان کو اپنے کاموں میں استعمال کرتے ہیں۔ درندے جنگلوں میں آزاد پھرتے ہیں

اور سبزہ کھانے والے جانور ان کو خوراک کے لیے مل جاتے ہیں۔ جانور غیر عاقل مخلوق ہیں‘ انہیں جہاں سے خوراک مل جائے وہ لے لیتے ہیں۔ پالتو جانور بھی یہ امتیاز نہیں رکھتے کہ یہ خوراک یا یہ کھیت یا یہ گھاس میرے مالک کے ہیں یا کسی دوسرے کے۔ وہ بلاتکلف وہ خوراک کھا لیتے ہیں‘ خواہ وہ ان کے مالک کی ہو یا کسی اور کی۔ چونکہ جانوروں میں عقل و شعور نہیں‘ لہٰذا وہ جہاں بھی اپنی خوراک پائیں کھا لیتے ہیں۔ پالتو جانوروں کے مالکوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے جانوروں کو خوراک مہیا کریں اور آزاد نہ چھوڑیں‘ کیونکہ آزاد چھوڑنے کی صورت میں وہ دوسرے لوگوں کے کھیت کھلیان کا نقصان کریں گے۔ عقل و شعور سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے جانوروں سے مرنے کے بعد باز پرس نہ ہوگی کہ انہوں نے فلاں چیز کیوں کھائی۔

سب کا روزی رساں اللہ ہے۔ جس طرح جنگلی جانوروں اور پالتو مویشیوں کی خوراک کا اس نے از خود انتظام کر رکھا ہے اسی طرح انسانوں کا بھی وہی رازق ہے‘ البتہ اس نے انسانوں کو جانوروں کی طرح آزاد نہیں چھوڑا کہ جہاں سے کھانے کی چیزیں مل جائیں وہاں سے لے لیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل و شعور سے نوازا ہے۔ کھانے پینے کے علاوہ اس کی اور بھی ضروریات ہیں جنہیں اسے پورا کرنا ہوتا ہے۔ اس کو رہنے کے لیے مکان‘ سواری کے لیے اونٹ‘ گھوڑے یا گاڑی کی ضرورت ہے۔ لہٰذا انسان کے لیے لازم کیا گیا ہے کہ وہ اپنی جسمانی قوت اور عقل و شعور کو استعمال میں لا کر روپیہ پیسہ حاصل کرے اور اس سے اپنی زندگی کی ضروریات پوری کرے۔ دولت کمانے کے اس انداز کے کچھ ضابطے اور اصول ہیں جو عین فطری ہیں۔ ان ضابطوں کو پورا کرنے والا انسان حلال خور ہے اور جو ان اصولوں کے خلاف کام کر کے روزی کماتا ہے اس کی روزی حرام ہے۔ یہ ضابطے عین اخلاقی ہیں۔ مثلاً کسی کو دھوکہ دے کر یا جھوٹ بول کر مال کمانا ناجائز ہے۔ چوری‘ ڈاکے‘ رشوت‘ بے ایمانی سے حاصل کیا ہوا مال ناجائز ہے۔ اس طرح ہر وہ مال حرام ہے جو حق دار نہ ہوتے ہوئے حاصل کیا جائے۔ سود اور جوئے کی کمائی حرام ہے۔ عاقل اور باشعور ہونے کے سبب ہر انسان سے موت کے بعد کی زندگی میں باز پرس کی جائے گی کہ اس نے دنیا میں زندگی کس طرح گزاری؟ جس نے روزی حلال اور جائز طریقوں سے حاصل کی ہوگی‘ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اصول وضوابط کی پابندی کے ساتھ مال کمایا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق خرچ کیا ہوگا وہ تو وہاں اعلیٰ درجے کی کامیاب زندگی پائے گا اور وہ شخص جس نے جائز اور ناجائز میں فرق نہ رکھا اور ہر طریقے سے مال اکٹھا کرتا رہا اور پھر اپنی مرضی سے خرچ کرتا رہا اس

نے خدائی ضابطوں کے خلاف کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ وہ اگلی زندگی میں سزا پائے گا‘ جبکہ پرندے چرندے‘ درندے اور دوسرے جانور غیر عاقل ہونے کی بنا پر کوئی سزا نہیں پائیں گے۔ کمائی کے جائز اور ناجائز طریقوں کی بالوضاحت خبر دے دی گئی ہے‘ بلکہ ہر انسان کی فطرت میں یہ بات ڈال دی گئی ہے کہ کون سا مال اس کے لیے جائز ہے اور کون سا ناجائز۔ کس طریقے سے کمائی کرنا درست ہے اور کس طریقے سے مال کمانا حرام ہے۔

ایک مسلمان کا اس بات پر پختہ یقین ہونا چاہیے کہ روزی رساں اللہ واحد ہی ہے‘ جانوروں کو بھی وہی روزی دیتا ہے اور انسانوں کو بھی‘ فرق صرف انداز میں ہے۔ بے شعور ہونے کی وجہ سے جائز ناجائز کا فرق رکھنا جانوروں کے لیے تو ممکن نہیں‘ اسی لیے وہ حساب کتاب سے مستثنیٰ ہیں۔ البتہ انسان اپنے قول وفعل کا ذمہ دار ہے اور حیوانی سطح پر زندگی گزارنا اس کو زیب نہیں دیتا۔ اور جو ایسا کرتا ہے وہ جانتے بوجھتے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتا ہے۔ چونکہ اصلی‘ حقیقی اور ابدی زندگی میں کامیابی کا ہر کوئی خواہاں ہے‘ اس لیے دنیوی زندگی میں ہر انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ کسی طور بھی ناجائز کمائی حاصل نہ کرے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ انسان صرف محنت کر کے کمانے کا پابند ہے‘ روزی کی کمی بیشی اس کے اختیار میں نہیں۔ قرآن مجید میں اس بات کو بار بار دہرایا گیا ہے۔ مثلاً: ﴿اَللّٰہُ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ ؕ﴾ (الرعد:۲۶) ”اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق بڑھاتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے“۔ جو شخص روزی کمانے کے ناجائز ذرائع استعمال کرتا ہے وہ حساب کے دن جب سزا ملے گی تو پچھتائے گا۔ اور وہ سزا دنیا کی سزا کی طرح نہیں ہوگی‘ بلکہ وہ تو جہنم کی آگ ہوگی۔ حدیث نبویؐ ہے: ((اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ‘ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا)) (صحیح مسلم) ”بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ صرف پاک چیز ہی کو قبول کرتا ہے۔“

آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے قربانی کا مال پیش کیا۔ ہابیل کی قربانی تو قبول ہوگئی اور اُس وقت کے دستور کے موافق اسے آسمانی آگ بھسم کر گئی‘ مگر قابیل کی قربانی پڑی کی پڑی رہ گئی اور قبول نہ ہوئی‘ کیونکہ اُس کا مال پاک نہ تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ رشوت‘ چوری‘ ڈاکہ‘ حق تلفی‘ سود اور دھوکے سے کمائی ہوئی دولت ناپاک ہے۔ ایسی دولت اللہ تعالیٰ کے ہاں نامقبول ہے۔ حرام کمائی کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ زکوٰۃ وصدقات میں دیا گیا مال بھی اگر ناجائز کمائی کا ہوگا تو قبول نہ کیا جائے گا۔

حرام کمائی کسی نیک کام میں لگائی جائے تو قبول نہ ہوگی‘ کیونکہ نجس چیز کو اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا۔ مسند احمد میں روایت ہے کہ ((لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ‘ اَلنَّارُ اَوْلٰی بِہٖ)) ”وہ گوشت جنّت میں نہ جاسکے گا جس کی پرورش حرام مال سے ہوئی ہو‘ دوزخ ہی اس کی زیادہ مستحق ہے“۔ رشوت‘ چوری اور جھوٹ بول کر کمائی گئی دولت بھی حرام ہے۔ حرام کمائی کمانے والا ایسی کمائی سے پھل فروٹ لے جا کر بچوں کو کھلائے گا تو وہ جان لے کہ وہ اپنی اولاد کی پرورش حرام سے کر رہا ہے۔ ایسی صورت میں اپنی اولاد سے نیکی کی توقع فضول ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے دس درہم میں کوئی کپڑا خریدا اور اس میں ایک درہم حرام کا تھا تو جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر رہے گا اس کی کوئی نماز قبول نہ ہوگی۔“ (مسند احمد‘ بیہقی فی شعب الایمان) اس سے معلوم ہوا کہ حلال روزی کمانا‘ کھانا اور کھلانا کس قدر ضروری ہے۔ اگر اس میں ذرا بھی حرام کمائی شامل ہوئی تو کوئی نیک عمل بھی قبولیت حاصل نہیں کر سکے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے‘ وہ صرف پاک ہی کو قبول کرتا ہے اور اس نے اس بارے میں جو حکم اپنے پیغمبروں کو دیا وہی اپنے سب مؤمن بندوں کو دیا ہے (پیغمبروں کے لیے اس کا ارشاد ہے) ”اے پیغمبرو! تم پاک اور حلال غذا کھاؤ اور نیک عمل کرو“ (مریم:۶۰) اور (اہلِ ایمان کو مخاطب کر کے اس نے) فرمایا: ”اے اہلِ ایمان! تم ہمارے رزق میں حلال اور طیب کھاؤ اور حرام سے بچو“۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک ایسے آدمی کا ذکر فرمایا جو طویل سفر کر کے (کسی مقدس مقام پر) ایسے حال میں جاتا ہے کہ اس کے بال پراگندہ ہیں‘ جسم اور کپڑوں پر گردوغبار ہے۔ وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعا کرتا ہے (اور کہتا ہے) اے میرے رب! اے میرے رب! اور حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے‘ اس کا پینا حرام ہے‘ اس کا لباس حرام ہے اور حرام غذا سے اس کی پرورش ہوئی ہے‘ تو اس آدمی کی دعا کیسے قبول ہوگی؟“ (صحیح مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَیَاْتِیَنَّ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ ‘ لَا یُبَالِی الْمَرْءُ بِمَا اَخَذَ الْمَالَ‘ اَمِنْ حَلَالٍ اَمْ مِنْ حَرَامٍ)) (صحیح البخاری)

”لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو اس کی پروا نہ ہوگی کہ وہ جو لے رہا ہے حلال ہے یا حرام۔“

آج ہم وہ زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ حرام مال کمانا عام ہے۔ چھوٹے بڑے دکاندار‘ ملازم‘ کارخانہ دار‘ مزدور‘ کاروبار میں دھوکہ اور جھوٹ سے کام لے رہے ہیں۔ حالانکہ بعض نمازیں پڑھتے‘ زکوٰۃ دیتے‘ حج کرتے ہیں۔ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ مال کمانے کے معاملے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کیا احکام ہیں۔ ایسے لوگ آخرت اور اس کے حساب کتاب کو بھولے بیٹھے ہیں۔ شاید شیطان نے ان کے ذہن میں یہ بٹھا رکھا ہے کہ اللہ غفورٌ رحیم ہے‘ سب کو بخش دے گا۔ اللہ غفورٌ رحیم ضرور ہے‘ لیکن حرام مال کمانے اور کھانے سے اس کی نافرمانی ہوتی ہے۔ کیا اللہ کی نافرمانی کے کاموں کو زندگی بھر اختیار کیے رکھا جائے؟ نہیں! جہنم کی وعید سن کر حرام کمانا‘ کھانا اور کھلانا فوراً چھوڑ دینا چاہیے اور توبہ کر کے بخشش کی امید رکھنی چاہیے۔ یہ لوگ شیطان کے دھوکے میں آ جاتے ہیں۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’قیامت کے دن اولادِ آدم کا کوئی فرد اپنے رب کے پاس سے اپنے قدم نہیں اٹھا سکے گا جب تک اس سے پانچ سوال نہ پوچھ لیے جائیں: (۱) زندگی کہاں فنا کی؟ (۲) جوانی کن مشغلوں میں بوسیدہ کی؟ (۳) مال کہاں سے کمایا؟ (۴) اور کہاں خرچ کیا؟ (۵) اپنے علم پر کتنا عمل کیا؟‘‘ (سنن ترمذی)

ایک مسلمان کا آخرت پر ایمان صرف زبان کی حد تک رہ جاتا ہے تو پھر وہ اس زندگی میں گناہوں پر دلیر ہو جاتا ہے‘ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کو نظر انداز کر دیتا ہے اور ان لوگوں کا کہنا مان لیتا ہے جو دھوکہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں: ع بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست! یعنی دنیا کی زندگی میں کسی پابندی کو نہ دیکھو‘ جیسے مرضی عمل کرو‘ دنیا کی زندگی بس ایک ہی دفعہ ہے‘ یہاں کی چمک دمک اور عزّت ووقار سے بھرپور فائدہ اٹھاؤ۔ یہ بہت بڑا دھوکہ ہے۔ انسان دنیا میں آزمائش کے لیے ہے‘ برائی اور بھلائی اس کے سامنے واضح کر دی گئی ہے۔ دیکھا یہ جائے گا کہ اس نے برائی اختیار کی یا اللہ کا خوف کھاتے ہوئے اچھائی پسند کی اور دنیا کی زینت اور کشش سے منفی انداز میں متاثر نہ ہوا۔

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے!

قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۱۰۶﴾ (یوسف) ’’اکثر لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں مگر شرک بھی کرتے ہیں‘‘۔ اور شرک ناقابلِ بخشش ہے۔ اکثر مسلمان شیطان کے دھوکے میں آ کر شرکیہ اعمال کرتے رہتے ہیں اور یہ بات بھول

جاتے ہیں کہ جس عمل میں شرک کا شائبہ بھی ہو اُس سے دور رہنا چاہیے۔ اسی طرح فاقہ کشی‘ غربت‘ ناداری اور تنگ دستی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر برداشت کرنا بڑی عقل مندی ہے‘ کیونکہ روزی رساں وہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ﴾ (الرعد:۲۶) ’’جس کے لیے اللہ چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے‘‘۔ یہ انسان کا امتحان ہے کہ غریب اور نادار غربت کو اللہ کا فیصلہ سمجھ کر قبول کرتا ہے یا بے صبرا ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرتا ہے اور امیر اور خوشحال انسان اللہ کی دی ہوئی دولت کو بے جا خرچ کر کے شیطان کا بھائی بنتا ہے یا اچھے کاموں میں خرچ کر کے اللہ کی خوشنودی حاصل کرتا ہے۔

روزی کا فراخ کرنا یا تنگ کرنا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ انسان ناجائز ذرائع استعمال کر کے روزی کمانے کو اپنی سمجھ داری سمجھتا ہے‘ حالانکہ اُس کے مقدر کی روزی اُسے ملنی ہی ہے‘ خواہ جائز طریقے سے حاصل کر لے یا ناجائز طریقے سے۔ حلال کمائی کمانے اور کھانے والا اللہ کا دوست بن جاتا ہے۔ وہ اگلی زندگی میں بے حساب نعمتیں حاصل کرے گا اور دنیوی زندگی کی کلفتوں کو بھول جائے گا۔ بعض لوگوں کو غلط فہمی ہے کہ دولت محنت‘ کوشش اور عقل مندی سے ملتی ہے‘ مگر یہ صحیح نہیں۔ پہلے ذکر ہو چکا کہ روزی دینے والا اللہ ہے اور وہ الحکیم ہے‘ جس کی روزی چاہتا ہے بڑھاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گھٹا کر دیتا ہے۔ شیخ سعدی نے کیا خوب کہا ہے:

اگر روزی بدانش در فزودے
ز ناداں تنگ روزی تر نہ بودے
بہ ناداناں چناں روزی رساند
کہ دانا اندر آں عاجز بماند!

’’اگر روزی عقل سے زیادہ ہوتی تو بے عقل کو تو تھوڑی سی روزی بھی نہ مل سکتی‘ مگر رازق ناداں کو اس طرح روزی پہنچاتا ہے کہ عقل مند حیران رہ جاتا ہے‘‘۔

انسان کا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے اعضاء وقویٰ سے کام لے کر جائز ذرائع سے روزی کمانے کے لیے جدّ وجہد کرے۔ لازم ہے کہ جس طرح ہم دوسری ضرورتوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اسی طرح روزی بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگیں۔ وہ کسی کو مایوس نہیں کرتا‘ کیونکہ اُس کے پاس ہر چیز کے نہ ختم ہونے والے خزانے ہیں۔ ہاں وہ حکیم ہے‘ جانتا ہے کہ کس کو کتنی روزی دے۔ ✿✿✿

مسلم معاشروں میں لڑکیوں کی بغاوت؟

اسباب وعلاج (۴)

ابوکلیم مقصودالحسن فیضی

حفاظتی اقدامات

(گزشتہ سے پیوستہ)

(۴) غضِ بصر کا حکم

فواحش ومنکرات سے بچنے کے لیے اسلام نے غضِ بصر کا حکم دیا ہے۔ غض کے معنی چھپانے اور جھکانے کے ہیں' اس طرح غضِ بصر کے معنی ہوئے نظر کو جھکانا اور نیچی رکھنا۔ مقصود یہ ہے کہ انسان ہر اُس چیز سے اپنی نظر کو پھیرے اور بچائے رکھے جس کا دیکھنا اس کے لیے جائز نہیں ہے۔ علماء جب غضِ بصر یا نظر نیچی رکھنے یا نظر بچائے رکھنے کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے عمومی طور پر کسی اجنبی عورت کے دیکھنے سے نظر بچانا مقصود ہوتا ہے۔ چونکہ نظر ہی جنسی جذبات وشہوت اور زنا کا پیش خیمہ ہے' اس لیے شریعت نے اسے نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے۔ سورۃ النور میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ

زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ....﴾

''مسلمان مَردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں' یہی ان کے لیے پاکیزگی ہے' لوگ جو کچھ کرتے ہیں اللہ یقیناً اس سے باخبر ہے۔ اور مسلمان عورتوں سے کہیں کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو از خود ظاہر ہے........''

یعنی مسلمان مَردوں اور عورتوں دونوں کو چاہیے کہ وہ ہر ایسی چیز کے دیکھنے سے اپنی نظر کو بچائے رکھیں جس کا دیکھنا ان کے لیے جائز نہیں ہے۔ خاص طور پر اجنبی عورتوں اور ان سے متعلقہ چیزوں کے دیکھنے سے خصوصی طور پر بچیں جن سے جنسی جذبات میں تحریک وشہوت پیدا ہوتی ہے اور انسان کے زنا میں پڑنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لیے نظروں کے نیچی رکھنے کے حکم کے فوراً بعد ہی شرمگاہ کی حفاظت کا بھی ذکر ہے' کیونکہ نظروں کو نیچی نہ رکھنے اور انہیں آزاد چھوڑ دینے کا معنی یہ ہے کہ معاملہ صرف نظر بازی تک ہی باقی نہیں رہے گا بلکہ اس کا آخری انجام زنا جیسے قبیح اور غیر اخلاقی فعل کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ کیا خوب ہی لکھا ہے عالم ربانی امام ابن القیمؒ نے کہ:

''نظر سے انسان کے دل میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اب اگر اسے دور کر دیا تو اس کے بعد کی شرم وندامت سے آرام پا گیا' لیکن اگر اس سے چھٹکارا حاصل نہ کیا تو یہی چیز وسوسہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے جس کا دفاع کرنا پہلے سے زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ پھر اگر اسے دور کر دیا تو فبہا' ورنہ آگے بڑھ کر یہی وسوسہ شہوت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اگر ابھی اس کا علاج کر لیا تو قدرے غنیمت' ورنہ یہی بدکاری کے ارادے میں تبدیل ہو جاتا ہے (جس کا دور کرنا پہلے سے کہیں زیادہ مشکل ہو جاتا ہے)۔ اب اگر اس ارادہ کو ختم کر دیا تو بہت خوب' ورنہ یہ ارادہ عزم یا ارادۂ جازمہ بن جاتا ہے جس کا دور کرنا مشکل ترین ہوتا ہے' بلکہ انسان اسے عملی جامہ پہنا دیتا ہے۔''(۵۳)

یہی وجہ ہے کہ اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے زنا سے تعبیر کیا ہے' چنانچہ ارشادِ رسول ربانی ﷺ ہے:

((كُتِبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ حَظُّهُ مِنَ الزِّنَا ، مُدْرِكٌ ذٰلِكَ لَا مَحَالَةَ ، فَالْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ ، وَالْأُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْاِسْتِمَاعُ ، وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ ، وَالْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ ، وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطَا ، وَالْقَلْبُ يَهْوِى وَيَتَمَنّٰى ، وَيُصَدِّقُ ذٰلِكَ الْفَرْجُ وَيُكَذِّبُهُ))(۵۴)

"ابن آدم پر زنا کا حصہ لکھا جا چکا ہے جو اسے لامحالہ مل کر رہے گا۔ چنانچہ دونوں آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے‘ دونوں کانوں کا زنا دھیان دے کر سننا ہے‘ اور لگاوٹ کی بات چیت زبان کا زنا ہے‘ اور ہاتھ کا زنا ہاتھ لگانا ہے‘ اور پاؤں کا زنا ناجائز مقصد کے لیے چل کر جانا ہے۔ دل بدکاری کا ارادہ اور تمنا کرتا ہے‘ اور شرم گاہ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچاتی ہے یا نہیں پہنچاتی۔"

قارئینِ کرام! نظر کے فتنے اور اس کے نقصانات ہی کے پیش نظر اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ ؓ کو خصوصی طور پر اس سے منع فرمایا اور اس کی حفاظت پر بڑے اجر کی بشارت دی ہے‘ چنانچہ ایک بار ارشاد فرمایا:

((يَا عَلِيُّ ! لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ ، فَإِنَّمَا لَکَ الْأُوْلٰی وَلَيْسَتْ لَکَ الْآخِرَةُ)) (۵۵)

"اے علی! پہلی نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالنا‘ کیونکہ پہلی (بے اختیار پڑنے والی نظر) تو تمہارے لیے معاف تھی‘ البتہ دوسری جائز نہیں ہے۔"

یعنی پہلی نظر جو کسی اجنبی عورت یا اس کی زینت پر پڑی‘ چونکہ وہ بغیر قصد وارادہ کے تھی اس لیے اللہ کی طرف سے اس پر کوئی سزا نہیں ہے‘ لیکن اگر تم نے اس پر اپنی نظر جما دی یا دوبارہ اسے دیکھنے کی کوشش کی تو یہ تمہارے لیے جائز نہیں‘ کیونکہ یہ تمہارے اختیار سے ہے اور اس پر گناہ ہے۔

اسی طرح ایک بار حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی ؓ نے اچانک پڑ جانے والی نظر کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ایسے موقع پر اپنی نظر پھیر لو"۔ (۵۶)

نظر نیچی رکھنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ثَلَاثَةٌ لَا تَرَى أَعْيُنُهُمُ النَّارَ: عَيْنٌ حَرَسَتْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ، وَعَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ، وَعَيْنٌ كُفَّتْ عَنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ)) (۵۷)

"تین قسم کی آنکھیں آگ کو نہ دیکھیں گی: (۱) وہ آنکھ جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں پہرہ داری کی ہوگی۔ (۲) وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہوگی۔ (۳) وہ آنکھ جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو دیکھنے سے رکی ہوگی۔"

خلاصہ یہ کہ فواحش ومنکرات پر روک تھام کے لیے ضروری ہے کہ نظر کی حفاظت کی جائے‘ کیونکہ یہ وہ پہلا دروازہ ہے جو زنا کی طرف کھلتا ہے (۵۸) اور جنسی بے راہ روی کا سب سے پہلا

علاج نظر کی حفاظت ہے۔ کیا خوب کہا ہے جنسی علوم کے ماہر اور جنسی دواؤں پر دسترس رکھنے والے ایک جرمنی پروفیسر بودفولی فیلتز نے:

"میں نے جنسی امراض اور ان کے علاج کے بارے میں غور کیا‘ اس سلسلہ میں مطالعہ کیا‘ لیکن محمد (ﷺ) پر نازل شدہ کتاب کی اس آیت سے مفید کسی اور دوا کو نہ پا سکا۔

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰﴾ (النور)

اور یہ آیت:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ (النور:۳۱)"

قارئین کرام! نظر‘ اس کی حفاظت اور حفاظت کے فوائد‘ اسی طرح نظر بازی‘ اس کے نقصانات اور اس سے بچاؤ کے ذرائع ایک تفصیل طلب موضوع ہے جس کے لیے الگ مضمون اور مقالہ کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں ناچیز نے کافی مواد جمع کر رکھا ہے‘ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے ترتیب دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ؎

جو ہیں اہلِ بصیرت اکثر آنکھیں بند رکھتے ہیں
نظر اچھے دلوں کو بھی کبھی بدنام کرتی ہے!

(۵) بغیر ضرورت باہر نکلنے پر پابندی

عورتوں کا اپنے گھروں سے بغیر ضرورت کے باہر نکلنا اور بالخصوص کثرت سے نکلنا شریعت کی نظر میں ناپسندیدہ عمل ہے۔ خاص کر بازاروں‘ پارکوں‘ پبلک مقامات اور اس طرح کی عام جگہوں میں جانا جہاں مرد وزن کا کثرت سے اختلاط پایا جائے اور وہاں شیاطینِ جن وانس کی کثرت موجود ہو۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ فواحش ومنکرات کے انتشار کا ایک بہت بڑا سبب عورتوں کا آزادانہ سیر وتفریح کے لیے نکلنا ہے۔ اگر والدین غور کریں تو انہیں اندازہ ہوگا کہ لڑکے اور لڑکیوں کی بغاوت جو اپنے والدین کے ساتھ ہوتی ہے‘ اس کے پیچھے بچوں اور بچیوں کا گھر سے نکلنا اور بلا روک ٹوک ہر جگہ آنا جانا ہے۔ اگر ان واقعات پر نظر ڈالی جائے جو لڑکیوں کے اپنے والدین کے گھروں سے غائب ہونے کے پیش آتے ہیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے اکثر واقعات میں یہ

نکتہ ضرور ملے گا کہ والدین نے ان کے گھر سے نکلنے اور واپس آنے پر بالکل توجّہ نہیں دی۔

سورۃ الاحزاب کی آیات ۳۲۔۳۳ میں نبی اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو پردے سے متعلق خصوصی ہدایات دی گئیں۔ اس لیے کہ انہیں تاقیامِ قیامت اُمّت کی خواتین کے لیے اُسوۂ حسنہ بننا تھا۔ فرمایا:

﴿وَقَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاہِلِیَّۃِ الۡاُوۡلٰی﴾ (الاحزاب:۳۳)

''اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور دورِ جاہلیت کی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔''

یعنی اصل تو یہ ہے کہ تم اپنے گھروں سے باہر نہ نکلو' کیونکہ اگر تم باہر کثرت سے نکلنا شروع کرو گی تو جہاں ایک طرف اپنی اصل ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی ہوگی وہیں دوسری طرف جن وانس کے شیاطین تمہارا پیچھا کریں گے۔ اور اگر باہر نکلنے کی ضرورت بھی ہو جیسا کہ واقع امر ہے' تو نکلنے کے آداب کو مدِّنظر رکھو' بناؤ سنگھار کر کے' بے پردہ اور زمانۂ جاہلیت کے انداز کے ساتھ نہ نکلو۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے مسند البزّار کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ کچھ عورتیں خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئیں اور عرض کرنے لگیں کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ساری فضیلتیں تو مردوں کے حصّہ میں آئیں' کیونکہ وہ جہاد کرتے ہیں اور ہم جہاد نہیں کرتیں' تو کیا کوئی ایسا عمل ہے کہ اگر ہم وہ کریں تو ہمیں بھی ان کے برابر اجر مل جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَعَدَتْ مِنْکُنَّ فِيْ بَیْتِھَا فَإِنَّھَا تُدْرِکُ عَمَلَ الْمُجَاھِدِیْنَ فِيْ سَبِیْلِ اللّٰہِ)) (۵۹)

''تم میں سے جو عورت اپنے ہی گھر میں بیٹھی رہے (اور مجاہدین کے مال واولاد کی نگرانی کرتی رہے) وہ اس کے ذریعے مجاہدین کے اجر کو پالے گی۔''

سوچنے اور غور کرنے کی بات ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے نماز جیسی عبادت کے سلسلہ میں بھی یہ بات ارشاد فرمائی:

((خَیْرُ مَسَاجِدِ النِّسَاءِ قَعْرُ بُیُوْتِھِنَّ)) (۶۰)

''عورت کے لیے سب سے بہتر مسجد اس کے گھر کا اندرونی حصّہ ہے۔''

اسی طرح ایک صحابیہ جن کا نام اُمِّ حُمید رضی اللہ عنہا تھا' خدمتِ نبوی میں حاضر ہوتی ہیں اور عرض

کرتی ہیں کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے آپ کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھنا بہت پسند ہے' آپ ﷺ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا:

((قَدْ عَلِمْتُ أَنَّکِ تُحِبِّیْنَ الصَّلَاۃَ مَعِيْ ' وَصَلَاتُکِ فِيْ بَیْتِکِ خَیْرٌ لَکِ مِنْ صَلَاتِکِ فِيْ حُجْرَتِکِ ' وَصَلَاتُکِ فِيْ حُجْرَتِکِ خَیْرٌ لَکِ مِنْ صَلَاتِکِ فِيْ دَارِکِ' وَصَلَاتُکِ فِيْ دَارِکِ خَیْرٌ لَکِ مِنْ صَلَاتِکِ فِيْ مَسْجِدِ قَوْمِکِ' وَصَلَاتُکِ فِيْ مَسْجِدِ قَوْمِکِ خَیْرٌ لَکِ مِنْ صَلَاتِکِ فِيْ مَسْجِدِيْ)) (۶۱)

''مجھے معلوم ہے کہ تمہیں میرے ساتھ نماز پڑھنا بہت پسند ہے' لیکن اپنے خاص کمرے میں تمہارا نماز پڑھنا اپنے گھر میں نماز پڑھنے سے افضل ہے' اور اپنے گھر میں نماز پڑھنا گھر کے احاطے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے' اور گھر کے احاطے میں تمہارا نماز پڑھنا اپنے محلے کی مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے' اور اپنے محلہ کی مسجد میں تمہارا نماز پڑھنا میری مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔''

راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر اُمّ حمید رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر کے تاریک ترین حصّہ میں ایک جائے نماز بنالی اور آخری عمر تک اس جگہ نماز پڑھتی رہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ صرف نماز کے لیے نکلنا' وہ بھی اپنے محلّہ کی مسجد میں' یہ عورت کی خانگی زندگی پر اثر انداز نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ باہر نکلنے سے عورت کی خانگی زندگی متاثر ہوگی (۶۲) بلکہ اس کا اصل مقصد عورت کی عزّت وعصمت کی حفاظت اور معاشرہ سے فواحش ومنکرات کے اسباب کا سدِّ باب ہے۔ اور اصل حقیقت بھی یہ ہے کہ آج معاشرہ میں اغوا' زنا بالجبر اور لڑکیوں کے فرار جیسے جرائم کی بہت بڑی وجہ عورتوں کا آزادانہ گھومنا اور بلا کسی روک ٹوک کے ہر جگہ آنا جانا ہے۔ کاش کہ ہماری قوم کے غیرت مند حضرات اس پر توجّہ دیتے۔ اسی غلطی پر متنبّہ کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

''اے لوگو! تمہیں غیرت نہیں آتی' تمہیں شرم نہیں آتی کہ تمہاری عورتیں اس قدر آزادی سے باہر نکلتی ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہاری عورتیں بازاروں میں کافروں کے شانہ بشانہ چلتی ہیں۔'' (۶۳)

ذرا سوچیں کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ آج ہماری عورتوں کو عصرِ حاضر کے بازاروں میں دکانداروں

سے آزادانہ باتیں کرتے دیکھتے تو اس وقت کیا کہتے؟

ذرا فرمانِ نبوی ﷺ کو بھی پڑھیے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إنَّ الْمَرْأَةَ عَوْرَةٌ ، فَإِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ ، وَأَقْرَبُ مَا تَكُوْنُ مِنْ وَجْهِ رَبِّهَا وَهِيَ فِيْ قَعْرِ بَيْتِهَا))[۶۴]

’’عورت پردے کی چیز ہے‘ چنانچہ جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے‘ اور کوئی بھی عورت اپنے ربّ کی رضا کے قریب تر اسی وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے اندرونی حصہ میں ہوتی ہے۔‘‘

ایک طرف اس فرمانِ نبوی ﷺ کو دیکھئے اور اس کی خوبیوں پر غور کیجیے‘ پھر دوسری طرف آج دنیا میں عورت کے آزادانہ گھومنے کو دیکھئے اور اس کے نتائج پر غور کیجیے۔[۶۵]

ابھی چند سال قبل لندن کے ایک علاقہ میں چھ سات لڑکوں نے ایک ہوٹل کے سامنے سے رات دو بجے دو لڑکیوں کو اغوا کیا اور کچھ ہی دور جا کر ایک جانب سڑک پر تقریباً بیس آدمیوں کی موجودگی میں یکے بعد دیگرے لڑکیوں کے ساتھ زنا بالجبر کیا۔ وہ دونوں لڑکیاں فریاد کرتی رہیں‘ لیکن بیس سے زیادہ بے غیرت مرد کھڑے تماشا دیکھتے رہے اور کسی کی رگِ انسانیت نہیں پھڑکی۔[۶۶]

بازاروں کا چکر لگانے والیوں‘ دکانوں پر آنے جانے والیوں اور بغیر کسی روک ٹوک کے باہر نکلنے والی لڑکیوں سے متعلق واقعات اس کثرت سے پیش آتے رہتے ہیں کہ انہیں احاطۂ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا۔ ضرورت ہے کہ غیرت مند ماں باپ اور شوہر و بھائی اس طرف توجہ دیں اور عورتوں سے متعلق اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں۔

(۶) شرعی پردہ کا اہتمام

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ۭ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ﴾ (الاحزاب:۵۳)

’’اور جب نبی (ﷺ) کی بیویوں سے تمہیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو‘ یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے زیادہ مناسب طریقہ ہے۔‘‘

یہ آیت ’’آیتِ حجاب‘‘ کہلاتی ہے‘ جس میں بلاواسطہ نبی ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو اور بالواسطہ تمام مسلمان عورتوں کو پردہ کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ ہی پردہ کی حکمت بھی بیان کر دی گئی

ہے کہ پردہ کی وجہ سے مرد و عورت کے دل جنسی جذبات و خیالات سے پاک اور ایک دوسرے کے ساتھ فتنہ میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہیں گے۔

یہیں سے ان لوگوں کی جہالت اور ذہنی پراگندگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جن کا دعویٰ ہے کہ اصل پردہ تو دل کا پردہ ہوتا ہے‘ حالانکہ وہ یہ نہیں جانتے یا جاننا ہی نہیں چاہتے کہ اصل پردہ نظروں کا پردہ ہوتا ہے‘ اور جب یہ پردہ اُٹھ جاتا ہے تو دل کے پردہ کو محفوظ رکھنا ایک مشکل ترین کام بن جاتا ہے۔ بلکہ یوں کہنا صحیح ترین ہوگا کہ دل کی پاکیزگی کے لیے آنکھ کا پردہ قلعہ کی دیوار کا کام کرتا ہے اور اگر یہ دیوار سالم ہے تو دل سالم ہے‘ ورنہ نہیں۔ سچ کہا ہے اکبر الٰہ آبادی نے ؎

حفظِ عصمت بھی سہی لیکن یہ پردہ ہند میں — مسلموں کی جاہ و شان و تمکنت کی بات تھی
پردہ در کہتا ہے اب اس کی ضرورت ہی نہیں — میرزایانہ ادا تھی‘ سلطنت کی بات تھی
خون میں غیرت رہی باقی تو سمجھے گا کبھی — خوب تھا پردہ نہایت مصلحت کی بات تھی

قارئینِ کرام! پردہ کیا چیز ہے؟ جسم کے کس حصہ کا پردہ ہونا چاہیے؟ اور کن لوگوں سے پردہ ہونا چاہیے؟ یہ ایک طویل موضوع ہے‘ جس کی تفصیل اس کتابچہ میں بیان نہیں کی جا سکتی‘ البتہ چند باتیں بڑے اختصار کے ساتھ تحریر کی جا رہی ہیں۔ ان باتوں سے مضمون قدرے طویل ہو گیا ہے‘ لیکن چونکہ جس مقصد کے لیے یہ مضمون لکھا جا رہا ہے اس سے ان باتوں کا گہرا تعلق ہے اس لیے درج کر رہے ہیں۔

اوّلاً: پردہ کے شرائط[۶۷]

اہلِ علم نے شرعی پردہ کے لیے چند شرطیں رکھی ہیں:

(۱) پورا جسم چھپا ہو‘ سوائے اس کے جس کا ظاہر کرنا یا ظاہر ہونا مجبوری ہو: شرعی پردہ کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ عورت کا پورا جسم چھپا ہو‘ البتہ بعض وہ اعضاءِ جسم جن کا ظاہر کرنا ایک ناگزیر ضرورت ہو‘ جیسے چلنے اور راستہ دیکھنے کے لیے آنکھ‘ لین دین کے لیے پہنچوں تک ہاتھ اور چلتے وقت پاؤں کے کسی حصے کا ظاہر ہونا وغیرہ۔ واضح رہے کہ پردہ کے لیے چہرے کا چھپا ہونا اساسی و بنیادی حیثیت رکھتا ہے[۶۸]۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَاۗءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ

اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٥٩﴾ (الاحزاب)

''اے نبی (ﷺ)! اپنی بیویوں' بیٹیوں اور اہلِ ایمان کی عورتوں سے کہہ دیں کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلّو لٹکا لیا کریں' یہ زیادہ مناسب طریق ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔ اور اللہ غفور رحیم ہے۔''

اس آیت میں چادروں کے پلّو لٹکانے کا معنیٰ بالکل وہی ہے جسے اردو زبان میں گھونگھٹ نکالنا کہا جاتا ہے' جس سے چہرے کا بیشتر حصّہ بلکہ تقریباً پورا حصّہ چھپ جاتا ہے اور نظریں نیچی کر کے چلنے سے راستہ بھی واضح نظر آتا ہے۔

اس آیت میں چادر کے لیے لفظ ''جلباب'' استعمال ہوا ہے' امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جلباب سے مراد وہ کپڑا ہے جو سر سمیت پورے بدن کو ڈھک لے' یعنی اتنی بڑی چادر اور اوڑھنی جو سر اور باقی بدن کو ڈھک لے۔ گھونگھٹ نکالنے کی تفسیر حضرت عبیدہ السلمانی رحمہ اللہ نے یہ کی ہے کہ عورت اپنی چادر کو سر سے اس طرح لٹکائے کہ اس کی صرف ایک آنکھ ظاہر رہے۔''(۶۹)

بعض اہلِ علم چہرہ کے چھپانے کو وجوبی پردہ میں شمار نہیں کرتے' لیکن ان کا مسلک بطورِ دلیل کمزور ہے۔ یہ موقع ان دلائل کے ذکر اور ان پر ردّ کا نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے اس سلسلہ میں تالیف شدہ کتابوں کی طرف رجوع کریں۔(۷۰)

(۲) حجاب فی نفسہٖ زینت نہ ہو: جس لباس سے عورت اپنے جسم کو چھپائے ہوئے ہے وہ ایسا نقش و نگار یا بھڑکیلے رنگ والا نہ ہو کہ دیکھنے والوں کو دعوتِ نظارہ دے رہا ہو' بے غیرت اور بے حمیت لوگوں کو یہ کہنے کا موقع ہاتھ آ رہا ہو کہ جب ظاہر اتنا خوبصورت ہے تو اس کے اندر کی چیز کس قدر صاحبِ ذوق اور خوبصورت ہوگی' کیونکہ شریعت کا منشا یہ ہے کہ عورت اجنبی مَردوں سے اپنی زینت کو چھپائے تاکہ مَردوں کی توجہ عورتوں کی طرف نہ جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ﴾ ''اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں''۔ زینت سے متعلق مزید بحث آگے آ رہی ہے۔

پھر اگر اس قدر مزیّن اور نقش و نگار والا کپڑا پہنا گیا ہو جو اپنی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرے تو قرآن کا مقصد ادا نہیں ہوا۔

(۳) موٹا اور دبیز ہو: وہ لباس اس قدر باریک نہ ہو جس سے عورت کا جسم جھلک رہا یا ظاہر ہو رہا

ہو۔ یہ ظاہر ہونا خواہ حقیقی ہو یعنی کپڑا اس قدر شفاف ہو کہ اس کے پہننے سے اندر کی جلد نظر آ رہی ہو' یا باریک اگرچہ نہیں ہے لیکن ایسا کپڑا ہے کہ جسم پر چپک جائے تو جسم کے اندر کی جلد اگرچہ ظاہر نہ ہو لیکن جسم کے انگ انگ نمایاں اور فتنے میں مبتلا کر دینے والے اعضاء واضح ہو رہے ہوں۔ ذرا غور کریں کہ اس عورت کا چہرہ چھپانے سے کیا فائدہ جس کے برقعہ کی یہ کیفیت ہو کہ باریک ہونے کی وجہ سے اندر کے کپڑے' زیور حتیٰ کہ سینے کے اتار چڑھاؤ واضح ہوں۔ (اس شکل کو زینت چھپانا نہیں کہتے بلکہ زینت کی طرف متوجہ کرنا کہتے ہیں۔)

اس سلسلہ میں سب سے واضح دلیل وہ حدیثِ نبوی ﷺ ہے جس میں بعض عورتوں کو کپڑا پہنے ہوئے ہونے کے باوجود عریاں کہا گیا ہے' رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((صِنْفَانِ مِنْ أُمَّتِي لَمْ أَرَهُمَا: قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُوْنَ بِهَا النَّاسَ ' وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ' رُؤُوْسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ ' لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيْحَهَا' وَإِنَّ رِيْحَهَا لَتُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ كَذَا وَكَذَا)) (۷۱)

''میری امت میں سے دو قسم کے لوگ ایسے ہیں جنہیں میں نے نہیں دیکھا: (۱) ایسے لوگ جن کے ہاتھوں میں گائے کی دُم کی طرح موٹے موٹے کوڑے ہوں گے جن سے لوگوں کو ماریں گے۔ (۲) اور ایسی عورتیں ہوں گی جو کپڑا تو پہنے ہوئے ہوں گی لیکن فی الواقع برہنہ ہوں گی' (غیر مَردوں کو) اپنی طرف مائل کرنے والی اور ان کی طرف خود بھی مائل ہونے والی ہوں گی' ان کے سر بختی اونٹ کی کوہان کی طرح (ناز و نخرے کے ساتھ ایک طرف) مائل ہوں گے۔ وہ نہ تو جنت میں داخل ہوں گی اور نہ ہی اس کی خوشبو پائیں گی' حالانکہ اس کی خوشبو اتنی اتنی دوری سے محسوس کی جاتی ہے۔''

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی عورتوں کے بارے میں فرمایا:

((اِلْعَنُوْهُنَّ فَإِنَّهُنَّ مَلْعُوْنَاتٌ)) (۷۲)

''ان پر لعنت بھیجو' اس لیے کہ وہ سب ملعون ہیں''۔ (کیونکہ انہوں نے ایسا کام کیا ہے جس کی وجہ سے وہ لعنت کی مستحق ہیں۔)

اس حدیث کے الفاظ ''کپڑے پہنے ہوں گی' عریاں ہوں گی'' کی ایک تفسیر اہلِ علم نے یہ کی ہے کہ وہ ایسا کپڑا پہنے ہوں گی جس سے قابلِ ستر حصّہ چھپا نہ ہوگا' جس طرح کہ آج کل بہت

سی عورتیں فیشنی برقعہ پہنتی ہیں جس سے ان کا چہرہ اور سر وغیرہ کھلا رہتا ہے۔ بعض برقعے ایسے بھی دیکھے ہیں کہ دائیں بائیں نیچے کی طرف سے اس طرح کھلے رہتے ہیں کہ چلتے وقت پاؤں اور اندر کے کپڑے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض ایسی برقعہ پوش عورتیں دیکھی گئی ہیں کہ ان کا چہرہ تو چھپا ہوا ہے البتہ پیچھے سے زلفوں کی لٹیں بالکل ظاہر رہتی ہیں۔ یہ تو برقعہ پوش عورتوں کا حال ہے' جبکہ وہ عورتیں جو برقعہ سے آزاد ہوتی ہیں ان میں سے اکثر عورتوں کی کیفیت تو یہ ہوتی ہے کہ ان کے جسم کا لباس بظاہر تو کئی کپڑوں پر مشتمل ہوتا ہے' لیکن سر' سینہ' پیٹ' حتیٰ کہ جسم کا اکثر حصّہ کھلا ہوتا ہے یا ہر طرح پہچانا جاتا ہے۔

امام بغوی ؒ یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اللہ کے رسول ﷺ کی مراد مذکورہ بالا عورتوں سے وہ عورتیں ہیں جو ایسا باریک لباس پہنتی ہیں جس سے اندر کی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں' بظاہر تو یہ کپڑا پہنے ہیں لیکن فی الواقع وہ برہنہ ہیں۔''

آپ ﷺ کے مذکورہ فرمان کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنے ڈوپٹے کو (سر پر ڈال کر یا گردن میں ڈال کر) پیچھے لٹکا لیتی ہیں جس سے ان کے سینے کھلے رہتے ہیں' یہ عورتیں کپڑا پہنے ہوئے ہونے کے باوجود برہنہ ہیں' اس لیے کہ ان کا پورا جسم چھپا ہوا نہیں ہے۔ اور ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں سے تو مالا مال ہیں لیکن شکر سے عاری ہیں۔ واضح رہے کہ پہلا مفہوم یا تفسیر ہی زیادہ صحیح ہے۔[۷۳] خلاصہ یہ کہ ہر وہ کپڑا جو ایسا باریک ہو جس سے اندر کا جسم ظاہر ہو' یا موٹا ہونے کے باوجود جسم سے اس طرح چپک جائے کہ جسم کی ساخت اور پیچ وخم ظاہر ہوں' اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔

(۴) کشادہ ہو' تنگ نہ ہو: شرعی پردہ کے لیے اہلِ علم نے ایک شرط یہ بھی رکھی ہے کہ وہ لباس ڈھیلا ڈھالا ہو' جسم پر ایسا تنگ نہ ہو کہ اس سے جسم کے پیچ وخم ظاہر ہوں۔

حضرت اسامہ بن زید ؓ بیان کرتے ہیں کہ جو قبطی کپڑے حضرت دحیہ کلبی ؓ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بطورِ ہدیہ بھیجے تھے ان میں سے ایک موٹی چادر اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے بھی عنایت فرمائی' جو میں نے اپنی بیوی کو پہننے کے لیے دے دی۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ جو چادر میں نے تمہیں دی تھی اسے استعمال کیوں نہیں کرتے؟ میں نے عرض کیا کہ اسے میں نے اپنی بیوی کو دے دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مُرْهَا فَلْتَجْعَلْ تَحْتَهَا غِلَالَةً ، فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ تَصِفَ حَجْمَ عِظَامِهَا))[۷۴]

''اسے کہہ دو کہ اس کے نیچے کوئی موٹا استر لگا لے' کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ اس سے اس کے جسم کی ہڈیوں کی ساخت ظاہر ہوگی۔''

وجہ استدلال یہ ہے کہ جس کپڑے سے جسم کی ساخت اور اس کا اتار چڑھاؤ ظاہر ہو وہ عورت کے لیے جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اگر اتنا تنگ کپڑا پہنا گیا جو اس قدر چست ہو کہ عورت کی کمر' سینہ' اور دوسرے اعضاء ظاہر ہو رہے ہوں تو ان کا پہننا بھی جائز نہ ہوگا' جیسا کہ آج کل نت نئے ڈیزائن اور کٹنگ کے برقعے' جو بازاروں میں دستیاب ہیں' وہ جسم پر بالکل فٹ اور اس قدر تنگ ہوتے ہیں کہ ان سے عورت کے جسم کے وہ حصے نمایاں رہتے ہیں جن سے مَردوں کے فتنے میں پڑنے کا خوف ہے۔ ایسے برقعے کا استعمال قطعاً جائز نہیں۔

(۵) خوشبو دار اور عطر والا نہ ہو: خوشبو کے اندر عجیب قسم کی کشش ہوتی ہے۔ بعض خوشبوئیں شہوت ابھارتی اور بعض مزاج میں نشاط پیدا کرتی ہیں' اسی وجہ سے شریعت نے عورتوں کو باہر نکلتے وقت خوشبو کے استعمال سے منع کیا ہے۔ اسی بنیاد پر علماء نے شرعی پردہ کے شرائط میں ایک اہم شرط یہ رکھی ہے کہ وہ لباس عطر والا نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ عورت اپنے آپ کو مکمل طور پر چھپائے ہوئے تو ہو' حتیٰ کہ اس کی آنکھیں بھی نظر نہ آ رہی ہوں' لیکن اپنے برقعہ یا نقاب کو عطر' سینٹ یا بخور و دھونی وغیرہ کے ذریعے معطر کیے ہو' کیونکہ اس صورت میں پردہ کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ شریعت نے بڑی سختی کے ساتھ عورتوں کو اس سے منع فرمایا ہے' چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

((أَيُّمَا امْرَأَةٍ اِسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ عَلٰى قَوْمٍ لِيَجِدُوْا رِيْحَهَا فَهِيَ زَانِيَةٌ))[۷۵]

''جو کوئی عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گزرے تاکہ لوگ اس کی خوشبو محسوس کریں تو ایسی عورت زانیہ (یعنی زنا کو دعوت دینے والی) ہے۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے بنی اسرائیل کی ہلاکت اور فتنے میں واقع ہونے کا سب سے اہم سبب اسی چیز کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ ایک بار آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ فَاتَّقُوْهَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ))

''دنیا ہری بھری اور میٹھی ہے' پس تمہیں چاہیے کہ تم اس سے بچتے رہو اور عورتوں سے بھی بچتے رہو''۔ (کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں کے ذریعے ہی اٹھا تھا۔)

پھر آپ ﷺ نے بنی اسرائیل کی تین عورتوں کا ذکر فرمایا:

((اِمْرَأَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ تُعْرَفَانِ ، وَامْرَأَةٌ قَصِيْرَةٌ لَا تُعْرَفُ، فَاتَّخَذَتْ رِجْلَيْنِ مِنْ خَشَبٍ وَصَاغَتْ خَاتَمًا فَحَشَتْهُ مِنْ أَطْيَبِ الطِّيْبِ الْمِسْكِ، وَجَعَلَتْ لَهٗ غَلْقًا ، فَإِذَا مَرَّتْ بِالْمَلَأِ أَوْ بِالْمَجْلِسِ قَالَتْ بِهٖ، فَفَتَحَتْهُ فَفَاحَ رِيْحُهُ)) (۷۶)

''(بنی اسرائیل میں تین عورتیں تھیں جو ایک ساتھ باہر نکلتی تھیں) ان میں سے دو عورتیں لمبی تھیں جو از خود نمایاں تھیں، البتہ تیسری عورت چھوٹے قد کی تھی جو ان دونوں کے درمیان چھپ جاتی تھی۔ چنانچہ اس نے لکڑی کے دو پیر بنوائے (جس سے اس کی اونچائی بڑھ گئی) اور ایک انگوٹھی بنوائی اور اس میں اچھی سے اچھی خوشبو یعنی مشک بھر دی اور اس پر ایک ڈھکن لگا لیا۔ پھر جب وہ باہر نکلتی اور کسی مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے پاس سے گزرتی تو انگوٹھی کے ڈھکن کو کھول کر حرکت دیتی، اس طرح اس کی خوشبو پھیلتی (اور لوگوں کی توجہ اس کی طرف مبذول ہو جاتی۔ اس طرح یہ تیسری عورت اپنی خوشبو کے ذریعے مَردوں کے لیے فتنہ وفساد کا سامان بنی)۔'' (۷۷)

واضح رہے کہ انہی دلائل کی بنیاد پر اہلِ علم نے عورتوں کے حق میں بھڑکیلی خوشبو لگا کر باہر نکلنے کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔

(۶) مَردوں کے لباس کے مشابہ نہ ہو: حجابِ شرعی کے سلسلہ میں اہلِ علم نے ایک شرط یہ بھی رکھی ہے کہ عورتوں کا لباس وحجاب مَردوں کے لباس کے مشابہ نہ ہو۔ ان کا جوتا' سینڈل حتیٰ کہ سر کا غطاء (اوڑھنی) مَردوں کے مشابہ نہ ہو' ان کا برقعہ مَردوں کی شیروانی کے مشابہ نہ ہو۔ (۷۸)

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِالرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ وَمَنْ تَشَبَّهَ بِالنِّسَاءِ مِنَ الرِّجَالِ)) (۷۹)

''وہ عورتیں جو مَردوں کی مشابہت اختیار کریں وہ ہم میں سے نہیں ہیں' اور جو مرد عورتوں کی مشابہت اختیار کریں وہ بھی ہم میں سے نہیں ہیں۔''

ایک اور حدیث میں ہے:

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ

لِبْسَةَ الرَّجُلِ)) (۸۰)

''اللہ کے رسول ﷺ نے اس مرد کو ملعون قرار دیا ہے جو عورتوں کا سا لباس پہنتا ہے اور اس عورت کو بھی ملعون قرار دیا ہے جو مَردوں کا سا لباس پہنتی ہے۔''

(۷) کافر عورتوں کے لباس کے مشابہ نہ ہو: اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) (۸۱)

''جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے اس کا شمار اسی کے ساتھ ہوتا ہے۔''

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما پیلے رنگ کا جوڑا پہن کر خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ هٰذِهٖ ثِيَابُ الْكُفَّارِ ، لَا تَلْبَسْهَا)) (۸۲)

''یہ کافروں کا لباس ہے' اسے مت پہنو۔''

ان دونوں حدیثوں اور متعدد آیات واحادیث کی روشنی میں علماءِ کرام نے شرعی حجاب ولباس کی ایک شرط یہ بھی رکھی ہے کہ وہ لباس کافر عورتوں کے لباس کے مشابہ نہ ہو۔ بلکہ یہ حکم صرف کافرہ عورتوں ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ ایک مؤمن عورت کے لیے کسی فاسق وفاجر عورت کے ساتھ مشابہت بھی جائز نہ ہوگی۔ چنانچہ برقعہ' نقاب' اور لباس کے وہ ڈیزائن وکٹنگ جو شریف زادیوں کی پہچان کی بجائے فلمی ایکٹرسوں' ٹی وی اداکاراؤں میں رائج ہوں' جن میں جسم چھپانے کے بجائے حسن دکھانے کی کوشش ہوتی ہے' قطعاً صحیح نہ ہوں گے۔

مشابہت کے موضوع کو ہم نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب ''وفاداری و بیزاری'' میں واضح کر دیا ہے' اس کتاب کا مطالعہ کئی معنوں میں مفید ہوگا۔

(۸) لباسِ شہرت ونمائش نہ ہو: شرعی لباس وپردہ کے لیے علماء کرام نے ایک شرط یہ بھی رکھی ہے کہ وہ لباسِ شہرت ونمائش نہ ہو۔ لباسِ شہرت کی تعریف علماء یہ کرتے ہیں کہ ایسا لباس جس کے پہننے کا مقصد اپنے آپ کو عام لوگوں سے نمایاں کرنا ہو' خواہ وہ عمدہ لباس ہو یا گھٹیا۔ (۸۳)

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا أَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، ثُمَّ أَلْهَبَ فِيْهِ نَارًا)) (۸۴)

''جو شخص دنیا میں شہرت کی خاطر لباس پہنے گا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ذلت کا لباس

پہنائے گا‘ پھر اس میں آگ کو بھڑکا دے گا۔‘‘

یہ حدیث صراحۃً اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ایسا لباس یا برقعہ قطعاً جائز نہیں ہے جس کے پہننے کا مقصد اپنے آپ کو عام عورتوں سے ممتاز کرنا ہو‘ خواہ یہ تمیز رنگ کے طور پر ہو‘ کٹنگ کے طور پر ہو یا کسی اور چیز میں‘ بہر صورت حرمت میں داخل ہوگا۔

ثانیاً: پردہ کن مَردوں سے؟

بالعموم مسلم دنیا میں پردے کی اہمیت ختم ہوتی جا رہی ہے‘ بلکہ اسے دقیانوسی قرار دیا جا رہا ہے۔ پھر بھی جن گھروں میں کسی حد تک دین سے تعلق قائم ہے ان کے یہاں بھی ایک بہت بڑی غلطی یہ ہوتی ہے کہ بہت سے وہ مرد جو شریعت کی نظر میں غیر محرم واجنبی ہیں اور جن سے پردہ لازمی اور تاکیدی ہے‘ بعض اجتماعی اور معاشرتی عادات وحاجات کی وجہ سے عورتیں ان سے پردہ نہیں کرتیں یا یہ کہئے کہ نہیں کر پاتیں۔ بلکہ بات یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ لاعلمی کی وجہ سے بہت سے مرد وعورت یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ پردہ کے حکم میں یہ لوگ داخل ہی نہیں ہیں‘ لہٰذا پردے کی کیا ضرورت؟ اس لیے یہاں ان افراد کی وضاحت کی جا رہی ہے جن سے پردہ نہیں ہے یا جن کے سامنے عورت کا اپنی زینت ظاہر کرنا جائز ہے۔ چنانچہ وہ مرد جن سے پردہ نہیں ہے‘ وہ یہ ہیں:

۱) شوہر۔

۲) باپ۔ اس حکم میں دادا اور پردادا بھی داخل ہیں۔

۳) بھائی۔ خواہ سگا بھائی ہو یا ماں کی طرف سے یا باپ کی طرف سے۔

۴) سسر۔ اس حکم میں سسر کا باپ بھی داخل ہے۔

۵) داماد۔

۶) بیٹا۔ اس حکم میں پوتا‘ پڑپوتا وغیرہ بھی داخل ہیں۔ شوہر کا بیٹا بھی یہی حکم رکھتا ہے۔

۷) بھتیجا۔ اس حکم میں بھتیجے اور بھتیجی کی اولاد بھی داخل ہے۔

۸) بھانجا۔ اس حکم میں بھانجے اور بھانجی کی اولاد بھی داخل ہے۔

۹) چچا۔

۱۰) ماموں۔

۱۱) نانا۔

مذکورہ رشتے خواہ نسبی ہوں یا رضاعی (دودھ پلانے کی وجہ سے) دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

۱۲) مسلمان عورتیں یا میل جول کی عورتیں —— اس شرط سے کافر اور غیر معروف کردار کی عورتیں خارج ہو جاتی ہیں۔ البتہ کافر عورتوں سے پردہ میں وہ سختی نہیں ہے جو سخت اجنبی مَردوں سے ہے‘ یعنی ان کے سامنے چہرہ اور ہاتھ کھولے جا سکتے ہیں‘ جیسا کہ حضرت عائشہ ؓ کے بارے میں وارد ہے کہ یہودی عورتیں ان کے پاس آیا کرتی تھیں اور ان کے چہرے اور ہاتھوں وغیرہ کو دیکھا کرتی تھیں‘ البتہ مَردوں کو اس کی اجازت نہ تھی۔[۸۵]

۱۳) وہ نابالغ بچے جو ابھی عورتوں کی پردہ کی باتوں سے واقف نہیں ہیں —— بہت سے علماء نے اس کی تحدید تقریباً دس‘ بارہ سال کی ہے۔ یعنی بچّہ جب اس عمر کو پہنچ جائے تو اس سے پردہ ضروری ہے۔

۱۴) وہ مرد جن میں جنسی شہوت نہ ہو۔ خواہ وہ فطری طور پر جنسی شہوت نہ رکھتے ہوں یا کسی وجہ سے شہوت کھو بیٹھے ہوں۔

۱۵) زر خرید غلام۔

اس فہرست میں مذکور مَردوں کے علاوہ تمام دوسرے مرد غیر محرم واجنبی کے حکم میں ہیں اور ان سے پردہ ضروری ہے‘ لیکن جہالت‘ رواج کی مجبوری اور لاپرواہی کی وجہ سے عورتیں عمومی طور پر بعض غیر محرم رشتہ داروں سے پردہ نہیں کرتیں‘ جیسے ’’دیور‘ جیٹھ‘ خالو‘ پھوپھا‘ بہنوئی وغیرہ‘‘۔ ان رشتہ داروں کے بارے میں لوگ سمجھتے ہیں کہ ان سے پردہ ضروری نہیں ہے‘ حتیٰ کہ بعض دینی گھرانے اور شریعت کے پابند حضرات بھی اس سلسلہ میں شرعی حدود کے پابند نہیں رہتے‘ جس کی وجہ سے بہت سے گھرانے اجڑتے اور بگڑتے دیکھے گئے ہیں۔

سچ فرمایا رسولِ اکرم ﷺ نے کہ:

((اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ))[۸۶] ’’حمو تو موت ہے۔‘‘

’’حمو‘‘ شوہر کے قریبی مرد رشتہ داروں کو کہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں تساہل سے کام لینے والے حضرات وخواتین سے گزارش ہے کہ ایک طرف تو وہ سطورِ بالا میں مذکور فرمانِ نبوی ﷺ پر غور کریں اور دوسری طرف ان سینکڑوں واقعات سے عبرت حاصل کریں جو ان کے ارد گرد پیش آتے رہتے ہیں۔

ثالثاً:

ہمارے پاک و ہند میں بعض علاقوں کی اکثر عورتیں سمجھتی ہیں کہ پردے کا تعلق سسرالی خاندان اور حالتِ سفر سے ہوتا ہے‘ اسی لیے عموماً دیکھا جاتا ہے کہ عورت جب اپنے میکے میں رہتی ہے تو پردے کا وہ اہتمام نہیں کرتی جو اپنے سسرال میں جا کر کرتی ہے۔ یہاں تک کہ میکے میں پاس پڑوس کے گھروں میں آتے جاتے برقعہ اور چادر اوڑھنے کا اہتمام بھی نہیں کرتی‘ بلکہ بعض عورتیں اس میں شرم محسوس کرتی ہیں۔ اسی طرح اپنے چچازاد‘ ماموں زاد‘ پھوپھی زاد‘ خالہ زاد جیسے رشتہ داروں سے پردہ نہیں کرتیں‘ حتیٰ کہ اپنے میکے میں رہتے ہوئے مزدوروں اور غیر مسلم افراد سے بھی پردہ نہیں کرتیں‘ لیکن جب کسی عورت کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص میرے سسرال سے تعلق رکھتا ہے تو اس سے حد درجہ پردہ کا اہتمام کرتی ہے‘ بلکہ باعثِ تعجب یہ ہے کہ بہت سی جاہل عورتیں اپنے جیٹھ اور دیور سے تو پردہ نہیں کرتیں‘ لیکن اپنے سسر سے مکمل پردہ کرتی ہیں۔ حالانکہ سسر بہو کا محرم ہے اور باپ کے درجے میں ہے۔ اسی طرح بہت سے مَردوں اور عورتوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ جس مرد سے بچپن سے پردہ نہیں رہا‘ بڑے ہونے کے بعد بھی اس سے پردہ نہیں ہے۔

یہ تمام خیالات غلط اور بے علمی کے ہیں اور بہت سے گھرانوں کے ویران ہونے کا سبب بنتے ہیں‘ لہٰذا تمام غیر محرموں سے پردہ ضروری ہے‘ خواہ ہمارے رسم و رواج کیسے ہی رہے ہوں۔ بات رشتے کی نہیں‘ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی ہے‘ اسی میں حفاظت اور اسی میں نجات ہے۔

رابعاً:

اسلام نے عورت کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ بعض رشتہ داروں کے سامنے اپنی زینت کا اظہار کر سکتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اظہارِ زینت کی حدود کیا ہیں؟ بڑے ہی اختصار کے ساتھ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں مَردوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) شوہر: اپنے شوہر کے سامنے عورت اپنی مکمل زینت کا اظہار کر سکتی ہے‘ کیونکہ میاں بیوی کے درمیان کسی بھی چیز کا پردہ نہیں ہے۔

(۲) عام محارم کے سامنے عورت کا اظہارِ زینت: عام محارم کے سامنے عورت اپنی اس

زینت کو ظاہر کر سکتی ہے جو کام کاج کے وقت ظاہر کرنا عادتاً ضروری و مجبوری ہوتا ہے‘ حسبِ ضرورت سر‘ کسی حد تک گلا‘ کلائیاں اور پنڈلیاں‘ نیز ان اعضاء میں پہنے ہوئے زیور۔[۸۷]

واضح رہے کہ آج کل ہمارے گھروں میں جو ماڈل اور ڈیزائن کے نام پر عریانیت پائی جا رہی ہے کہ عورتیں اپنے جسم کا کافی حصّہ بلاضرورت کھلا رکھتی ہیں‘ یا ایسا لباس پہنتی ہیں جو جسم پر اس قدر تنگ ہوتا ہے کہ مردوں کو فتنہ میں ڈالنے کے لیے کافی ہوتا ہے‘ ایسے تمام قسم کے لباس کا استعمال کسی طرح جائز نہیں ہے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ آج کل ہمارے معاشرہ میں محارم کے ساتھ جنسی تعلقات کے جو واقعات کثرت سے پیش آ رہے ہیں‘ اس کی ایک بہت بڑی وجہ یہی عریانیت اور عورتوں کا اپنی پوشیدہ زینت کو ظاہر کرنا ہے۔ بالخصوص جن مشترکہ گھروں میں کنوارے مرد موجود ہوں وہاں ایسے فتنے کا شدید خطرہ ہوتا ہے‘ خواہ وہ شرعی حکم کے مطابق محرم ہی کیوں نہ ہوں۔

(۳) عورت کے سامنے عورت کا اظہارِ زینت: اس سلسلہ میں عام خیال یہ پایا جاتا ہے کہ عورت کا ستر عورت کے سامنے وہی ہے جو ایک مرد کا دوسرے مرد کے سامنے ہے‘ یعنی گھٹنے سے لے کر ناف تک‘ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے‘ کیونکہ قرآن نے جہاں عورتوں کے سامنے اظہارِ زینت کی اجازت دی ہے اس سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔

(اوّل): عورتوں کو عام نہیں رکھا ہے بلکہ جن عورتوں کے سامنے اظہارِ زینت کی اجازت دی ہے وہ خاص عورتیں ہیں‘ یعنی مسلمان اور میل جول رکھنے والی عورتیں جن کے اخلاق و کردار سے واقفیت ہو۔

(دوم): ان مخصوص عورتوں کے سامنے اظہارِ زینت کی اجازت اسی سلسلۂ کلام میں وارد ہے جس میں محارم کے سامنے اظہارِ زینت کی اجازت ہے۔ لہٰذا ایک عورت کو دوسری عورتوں کے سامنے اپنی اسی زینت کے اظہار کی اجازت ہوگی جو عام محارم کے سامنے ہے‘ اس سے بڑھ کر مزید باطنی زینت کا اظہار جیسے سینہ‘ پیٹ اور ران وغیرہ کا عام عورتوں کے سامنے بھی اظہار جائز نہ ہوگا۔

سعودی عرب کے مقتدر علماء کی کمیٹی کا یہی فتویٰ ہے اور علامہ البانی ؒ نے بھی اپنے ایک خطاب میں اس موضوع کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور اسی رائے کو راجح قرار دیا ہے۔

قارئینِ کرام! پردہ اور اس کی شرائط سے متعلق یہ چند باتیں مختصراً بیان ہوئی ہیں۔ شرعی پردہ کے لیے ان کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے‘ اور ایسے ہی پردہ کی صورت میں عورت اپنی عفت و

عصمت کی حفاظت کر سکتی ہے‘ اور شرعی حدود کے مطابق حکم پر عمل پیرا ہونے میں جس قدر کمی واقع ہوتی جائے گی اس کا دامنِ عصمت وعفت اسی قدر خطرے سے دوچار ہوتا جائے گا۔

یہ وہ حقائق ہیں جن کا اعتراف آج پردہ کے مخالف حضرات بھی کر رہے ہیں‘ چنانچہ سعودی عرب کے اردو روزنامہ اخبار ''اردو نیوز'' بروز جمعہ ۲۴ جون ۲۰۰۵ء میں یہ خبر چھپی کہ ممبئی یونیورسٹی کی انتظامیہ نے یونیورسٹی میں تہذیب اور شائستگی کو فروغ دینے کے لیے تمام طالبات کو منی اسکرٹس‘ شرٹس اور دوسرے غیر شائستہ ملبوسات کے استعمال سے منع کر دیا ہے اور کہا ہے کہ اس طرح وہ مَردوں کی دست درازیوں اور زیادتیوں سے محفوظ رہیں گی۔ ممبئی یونیورسٹی کے وائس چانسلر ''وجے کھوسے'' کا کہنا ہے کہ طالبات کا لباس ایسا ہونا چاہیے کہ اس کو پہن کر نہ صرف خود شائستہ‘ مہذب اور متمدّن نظر آئیں بلکہ ساتھی طلبہ اور اساتذہ کی نظریں بھی نہ بھٹکیں۔ یونیورسٹی حکام کا کہنا ہے کہ وہ طالبات کو روایتی شلوار قمیص پہننے کا مشورہ دیتے ہیں۔

اسی طرح سعودیہ کے مشہور اخبار ''الریاض'' بروز بدھ مطابق ۱۴۲۶/۱۰/۲۱ھ میں ایک خبر چھپی جس کا عنوان تھا کہ ''برطانیہ میں رائے شماری کے مطابق زنا بالجبر کی بہت بڑی ذمہ داری عورتوں پر آتی ہے''۔ پھر اس کے تحت لکھا تھا کہ دونوں گروپوں کی رائے شماری کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ زنا بالجبر کے جو واقعات آئے دن پیش آتے ہیں ان میں قابلِ ملامت خود عورتیں ہیں‘ کیونکہ وہ جب نشہ آور مشروبات استعمال کرتی ہیں اور ایسے حیا سوز لباس پہنتی ہیں جن سے ان کے فتنوں کے مقامات ظاہر ہوتے ہیں تو وہ مَردوں کی ہوس کا شکار بنتی ہیں۔

حضرات! یہ ہیں وہ اخباری اور میدانی شہادتیں جن میں دو وجوہات بڑے واضح طور پر بیان ہوئی ہیں: اوّل یہ کہ غیر شائستہ لباس کی وجہ سے عورتیں مَردوں کی ہوس کا شکار بنتی ہیں۔ دوم یہ کہ اس کی مکمل ذمہ داری لڑکیوں پر ڈالی گئی ہے۔

البتہ میں یہ کہتا ہوں کہ اس بارے میں سب سے بڑی ذمہ داری والدین اور سرپرستوں پر آتی ہے کہ ان حضرات نے صحیح اصولوں پر لڑکیوں کی پرورش نہیں کی‘ نہ انہیں صحیح تعلیم اور ہدایات سے نوازا اور عفت وعصمت کا درس دیا‘ اور نہ ہی یہ بتایا گیا کہ عصمت وعفت کے ڈاکو کون کون سے لوگ ہیں؟ کیونکہ عورتیں فطری طور پر کمزور عقل اور جذباتی ہوا کرتی ہیں‘ وہ اپنے نفع نقصان کے بارے میں صحیح اندازہ نہیں لگا سکتیں۔ لہٰذا اصل ذمہ داران کے والدین اور سرپرست حضرات

ہیں‘ نہ کہ لڑکیاں اور عورتیں۔ واللہ اعلم! سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ﴾ (النساء:۳۴)

''مرد عورتوں پر حاکم و نگراں ہیں۔''

(جاری ہے)

حواشی

(۵۳) التبیان: ص ۴۰۴۔

(۵۴) صحیح البخاری: ۶۶۱۲‘ القدر‘ صحیح مسلم: ۲۶۵۷ القدر‘ مسند احمد: ۳۱۷/۲‘ بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

(۵۵) سنن ابی داؤد: ۲۱۴۹‘ النکاح‘ سنن الترمذی: ۲۷۷۷‘ الادب‘ مسند احمد: ۲۵۲/۵‘ بروایت بریدہ رضی اللہ عنہ‘ دیکھئے: صحیح الترغیب والترھیب: ۳۹۸۲/۲۔

(۵۶) صحیح مسلم: ۲۱۵۹‘ الادب‘ سنن الترمذی: ۲۷۷۶‘ الادب‘ مسند احمد: ۳۶۱/۴‘ بروایت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔

(۵۷) الطبرانی فی الکبیر: ۴۱۷/۱۹‘ بروایت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ‘ دیکھئے: صحیح الترغیب: ۷۱/۲۔

(۵۸) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے: ((اَلْاِثْمُ حَوَازُ الْقُلُوْبِ وَمَا مِنْ نَظْرَةٍ إِلَّا وَلِلشَّيْطَانِ فِيْهَا مَطْمَعٌ))۔ شعب الایمان للبیھقی: ۵۰۵۱‘ ۳۰۷/۷‘ الطبرانی الکبیر: ۸۷۴۸‘ ۱۶/۹‘ بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ‘ دیکھئے: الصحیحہ: ۲۶۱۳۔
''گناہ دلوں پر چھا جاتا ہے (یا گناہ دلوں پر اثر انداز ہوتا ہے) اور (غیر محرم عورت کی طرف) کوئی نظر ہو اس سے شیطان کچھ امیدیں ضرور رکھتا ہے۔''

(۵۹) تفسیر ابن کثیر: ۴۱۲/۳‘ الدر المنثور: ۶۰۰/۶۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی روح المسیب ہیں جنھیں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ثقہ اور امام ابنِ حبّان نے ضعیف کہا ہے۔

(۶۰) مسند احمد: ۲۹۷/۶‘ صحیح ابن خزیمہ: ۱۶۸۲‘ ۹۲/۲‘ بروایت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا‘ دیکھئے: الصحیحۃ: ۱۳۶۹۔

(۶۱) مسند احمد: ۲۹۷/۶‘ صحیح ابن خزیمہ: ۱۶۸۹‘ ۹۵/۲‘ ابن حبان: ۲۲۱۴‘ ۶۷/۴‘ بروایت اُمّ حُمید رضی اللہ عنہا۔ علامہ البانی نے صحیح ابن خزیمہ کی تعلیق میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

(۶۲) کیونکہ بہت سے قلم کار جب عورت کے باہر نکلنے یا باہر کام کرنے سے متعلق گفتگو کرتے ہیں تو اس کی اصل علت یہ بیان کرتے ہیں کہ عورتوں کے باہر نکلنے سے ان کی خانگی زندگی متاثر ہوتی ہے۔

(۶۳) مسند احمد: ۱۳۳/۱۔

(۶۴) صحیح ابن خزیمہ: ۱۶۸۵، ۹۳/۳، صحیح ابن حبان: ۵۵۶۹، ۱۵۶/۸، بروایت عبداللہ بن مسعودؓ۔ دیکھئے: الصحیحہ: ۲۶۶۸۔ اس حدیث کے ابتدائی الفاظ سنن الترمذی میں بھی موجود ہیں، دیکھئے: سنن الترمذی: ۱۱۷۳، الرضاع۔

(۶۵) یہ صرف آزادانہ گھومنا پھرنا ہی نہیں، بلکہ لباس کا عالم یہ ہے کہ ع ''ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے!'' کا منظر پیش کر رہا ہے۔ گوشت کے اس مجموعہ پر چند فقیرانہ چیتھڑوں کو فیشن و تہذیب کا نام دیا جاتا ہے۔

(۶۶) صراخ الفطرۃ: ۷۵، ۷۶۔

(۶۷) علامہ البانی ؒ نے ان شرائط کو اپنی کتاب جلباب المرأۃ المسلمۃ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

(۶۸) کیونکہ چہرہ ہی انسان کی پہچان ہے، اور اس کا سارا ظاہری حسن چہرہ پر نمایاں ہوتا ہے، چہرہ کو خارج کر دیا جائے تو سارا جسم انسانی گوشت کا مجموعہ نظر آتا ہے۔

(۶۹) دیکھئے: جلباب المرأۃ المسلمۃ و لباسھا فی الصلاۃ (اردو ترجمہ) ص ۱۲۔

(۷۰) نیز دیکھئے: (۱) وجوبِ حجاب و نقاب، تالیف مولانا محمد منیر قمر۔ (۲) اسلامی پردہ، تالیف مولانا عبدالسلام بستوی۔ (۳) پردہ، تالیف مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔ (۴) چہرے کا پردہ، تالیف انجینئر حافظ نوید احمدؒ۔

(۷۱) صحیح مسلم: ۲۱۲۸، اللباس و الزینۃ۔ مسند احمد: ۳۵۶/۲۔ صحیح ابن حبان: ۷۴۱۸، ۴۲۸/۱۰، بروایت ابوہریرہؓ۔

(۷۲) مسند احمد: ۲۲۳/۲، الطبرانی الصغیر: ۱۲۸/۲، بروایت عبد اللہ بن عمروؓ، دیکھئے: الصحیحہ ۲۶۸۳۔

(۷۳) شرح السنۃ: ۲۷۲/۱۰، نیز دیکھئے: احکام القرآن لابن العربی: ۱۴۰۱/۳، التمہید لابن عبدالبر: ۲۰۴/۱۳۔

(۷۴) مسند احمد: ۲۰۸/۵، سنن کبریٰ بیہقی: ۲۳۲/۲، بروایت اسامہ بن زیدؓ، دیکھئے: جلباب المرأۃ المسلمۃ للالبانی: ۱۳۱۔

(۷۵) مسند احمد: ۴۰۰/۴، سنن ابی داؤد: ۴۱۷۳، الترجل، سنن النسائی: ۱۵۳/۸، بروایت ابوموسیٰ اشعریؓ، دیکھئے: صحیح سنن ابی داؤد: ۵۳۸/۲۔

(۷۶) مسند احمد: ۴۶/۳، صحیح ابن خزیمہ: ۱۶۹۹، ۹۹/۲، صحیح ابن حبان: ۵۵۶۴، ۱۵۰/۸، بروایت ابوسعید خدریؓ، دیکھئے: الصحیحہ: ۴۸۶۔

(۷۷) الزواجر: ۳۷۲۔

(۷۸) اسی چیز کو بنیاد بنا کر سعودی عرب کے بعض علماء نے عورتوں کے اس برقعہ کو ناجائز قرار دیا ہے جو دو حصوں میں اس طرح بٹا ہوا ہوتا ہے کہ کندھے سے لے کر پیر تک کے لیے ایک جزء اور چہرہ اور سر کے لیے دوسرا جزء، کیونکہ ان کے نزدیک یہ برقعہ مردوں کی بشت کے مشابہ ہے۔ (بشت وہ بڑا کپڑا ہے جسے سعودیہ کی بڑی شخصیات معمول کے کپڑوں کے اوپر سے پہنتی ہیں۔)

(۷۹) مسند احمد: ۱۹۹/۲، ۲۰۰، بروایت عبد اللہ بن عمروؓ، دیکھئے: جلباب المرأۃ للالبانی، ص ۱۴۲۔

(۸۰) سنن ابی داؤد: ۴۰۹۸، اللباس، سنن ابن ماجہ: ۱۹۰۳، النکاح، مسند احمد: ۳۵۵/۲، بروایت ابوہریرہؓ، دیکھئے: صحیح سنن ابی داؤد: ۵۲۹/۲۔

(۸۱) سنن ابی داؤد: ۴۰۳۱، اللباس، مسند احمد: ۵۱۵۰/۲، بروایت عبداللہ بن عمرؓ، دیکھئے: صحیح سنن ابی داؤد: ۵۰۴/۲۔

(۸۲) صحیح مسلم: ۲۰۷۷، اللباس، النسائی: ۲۰۳/۸، مسند احمد: ۳۲۵/۲، بروایت عبداللہ بن عمروؓ۔

(۸۳) نیل الاوطار: ۹۴/۲۔

(۸۴) سنن ابی داؤد: ۴۰۲۹، اللباس، سنن ابن ماجہ: ۳۶۰۶، اللباس، مسند احمد: ۹۲/۲، بروایت عبداللہ بن عمرؓ، دیکھئے: صحیح الجامع الصغیر: ۱۱۱۳/۲۔

(۸۵) دیکھئے: امام ابن تیمیہؒ کی کتاب کا اردو ترجمہ 'مسلمان عورت کا پردہ' ص ۱۷، ۱۸۔ یعنی نہ محرم رشتہ دار جیسی بے تکلفی اور نہ ہی اجنبی مردوں جیسی احتیاط، بلکہ درمیانہ راستہ۔

(۸۶) متفق علیہ، بروایت عقبہؓ، یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

(۸۷) دیکھئے: سعودی عرب کے مقتدر علماء کی کمیٹی کا فتویٰ مجلة البحوث الإسلامية، ۷۵/۲۴۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

ہمارا اصل مسئلہ اور ہمارے لیے لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ کیا صرف شاندار مساجد کی تعمیر‘ اُن کی تزئین و آرائش اور آیا صوفیہ جیسی عظیم عمارت کو مسجد میں تبدیل کرنے سے مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ بحال ہو جائے گی؟ زمینی حقائق تو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ہرگز نہیں! عظمتِ رفتہ کی بحالی کا تو آج کی صورتِ حال میں خواب بھی نہیں دیکھا جا سکتا۔ ابھی تو مسلمانوں کی ذلّت وخواری اور نکبت مزید گہری ہوتی جا رہی ہے۔ آیا صوفیہ کے مسجد میں تبدیل ہونے سے مسلمانوں کا وقتی طور پر مورال ضرور بہتر ہوگا‘ لیکن کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ ہمیں سلطان محمد فاتح کے کردار کو اپنانا ہوگا۔ وگرنہ خدا نہ کرے کہ اس خیر سے بھی کوئی شر برآمد ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے‘ ہمیں صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری تمام تر جِدّ وجُہد قرآن اور سُنّت کے نظام کو نافذ کرنے کے لیے ہو۔ یہ نظام ہمارے پیکرِ خاکی میں جان پیدا کرے گا اور ہم باطل کو نیست و نابود کر سکیں گے۔ دُنیوی اور اُخروی فوز وفلاح کا یہی واحد راستہ ہے۔ ۞۞۞

بقیہ: حقیقتِ نفاق

اِنفاق کے معنی کسی شے کو خرچ کرنا یا کھپا دینا ہے۔ اس کا وسیع مفہوم یہ ہے کہ ہر اُس شے کو خرچ کرنا جس پر انسان کو اختیار حاصل ہو (الحدید:۷)۔ گویا مال کے علاوہ جسمانی صلاحیت‘ اولاد اور املاک وغیرہ کو اللہ کی راہ میں لگانا بھی انفاق فی سبیل اللہ میں شامل ہے۔ بھوکوں کو کھانا کھلانا‘ محتاجوں کی مدد کرنا بھی انفاق ہے‘ لیکن سب سے بڑھ کر انفاق اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اپنی جان‘ مال اور صلاحیتیں کھپانا ہے تاکہ اللہ کا دین غالب ہو۔

مرضِ نفاق کا سب سے زیادہ خطرہ ان لوگوں کو ہے جو دین اسلام کے اصل تقاضے یعنی پوری زندگی میں اللہ اور رسولؐ کی کُلّی اطاعت‘ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور دین کے غلبے کے لیے مال اور جان سے جہاد‘ ان پر واضح ہو چکے ہیں۔ اگر وہ ان تقاضوں کی ادائیگی سے اعراض کرتے ہیں تو مرضِ نفاق میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے دلوں کو نفاق سے پاک فرما دے اور ہمیں ایمانِ حقیقی کی دولت سے مالا مال فرما دے۔ آمین!

الحمد للہ! اس کے ساتھ ہی سلسلہ وار دروسِ قرآن کی تکمیل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کے تقاضوں کو سمجھنے اور صحیح معنوں میں ان کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین!

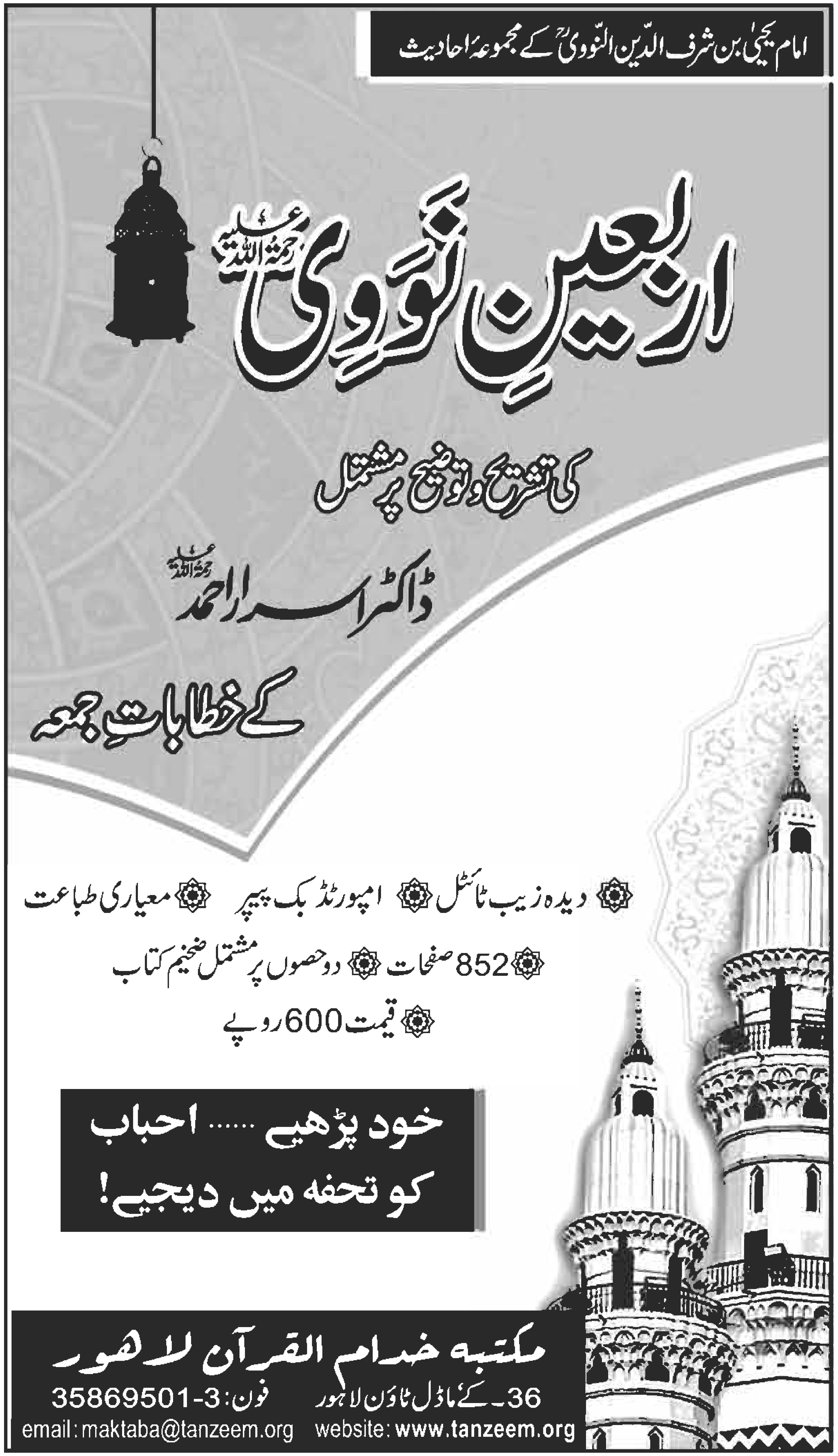

Aug 2020
Vol.69

Regd. CPL No.115
No.8

Monthly **Meesaq** Lahore

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

وفاق المدارس سے الحاق شدہ

کُلّیۃ القُرآن (قرآن کالج) لاہور

191۔ اتاترک بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور

’’تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو خود قرآن سیکھتے ہیں اور دوسروں کو قرآن سکھاتے ہیں۔‘‘ (حدیث نبوی ﷺ)

درس نظامی کے ساتھ ساتھ میٹرک (آرٹس، سائنس)۔ ایف اے۔ بی اے اور ایم اے کے خواہش مند طلبہ کے لیے

آن لائن داخلے شروع

- کرونا وائرس اور لاک ڈاؤن کی وجہ سے لاہور تشریف لائے بغیر بذریعہ واٹس ایپ اپنے کوائف ارسال کریں۔
  مطلوبہ قابلیت کا جائزہ لینے کے بعد داخلہ دینے یا نہ دینے کے بارے آپ کو اطلاع کر دی جائے گی۔
- ریگولر کلاسز کے لیے حکومت پاکستان / وفاق المدارس کی ہدایات کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔
- کوائف ارسال کرنے کے لیے درج ذیل نمبروں پر رابطہ کریں۔

1۔ مولانا محمد فیاض صاحب 0322-4939102
2۔ شہریار صاحب 0301-4882395

خصوصیات

- دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم
- حفاظ، ذہین اور مستحق طلبہ کے لیے مراعات
- وفاق المدارس العربیہ اور لاہور بورڈ / پنجاب یونیورسٹی کا نصاب
- نمایاں پوزیشن والے طلبہ کے لیے وظائف

المعلن: حافظ عاطف وحید، مہتمم — ریاض اسماعیل، پرنسپل